"اموالِ جدید اور اسلام"

مصنف

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

(ریڈر، شعبۂ سنّی دینیات)

ویمنس کالج

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Marfat.com

"احوالِ جدید اور اسلام"

مصنف

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

(ریڈر، شعبۂ سنّی دینیات)

ویمنس کالج

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ق ۸۵ ۲۹۱۷
©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	''احوالِ جدید اور اسلام''
نام مصنف	:	ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی
ناشر	:	مبشر کریمی
سنہ اشاعت	:	نومبر ۲۰۰۴ء رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ (اشاعتِ اوّل)
کمپیوٹرنگ	:	شجاع الدین احمد علیگ
مطبع	:	کریمی پرنٹرس، انوپ شہر روڈ، علی گڑھ
قیمت	:	طلباء ایڈیشن ۱۷۵ روپے
		لائبریری ایڈیشن ۲۲۵ روپے

ملنے کے پتے :

۱۔ ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی، ریڈر شعبۂ سنّی دینیات، ویمنس کالج،
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۔ فرنڈس بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

۳۔ ''بھائی میاں بک ڈپو'' عبداللہ ہال، اے.ایم.یو. علی گڑھ

Marfat.com

انتساب

اپنی والدہ محترمہ اَمۃُ القدیر سیوہاروی

اور

اپنے والد محترم سید رؤف رضا ہاشمی شیرکوٹ، ضلع بجنور

کے نام

جن کی محبت و شفقت اور حوصلہ افزائی میرے لیے علمی سفر میں

زادِ راہ ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

Marfat.com

فہرست

عنوان	صفحہ
مقدمہ	۵
۱۔ بات ہے وصال کی فراق کی نہیں	۹
۲۔ قرآن کریم اور ماحولیات کا تحفظ	۱۷
۳۔ حقوقِ انسان اور اسلام	۲۵
۴۔ مسلم پرسنل لاء، طلاق اور نفقہ	۳۸
۵۔ حج بین الاقوامی کانفرنس	۴۴
۶۔ بہارِ نو کے لیے	۵۱
۷۔ یہ مٹی بڑی زرخیز ہے	۵۷
۸۔ روزہ اور سائنس کی انعام یافتہ جدید تحقیقات	۶۲
۹۔ نشہ انسانیت کا خطرناک دشمن	۶۸
۱۰۔ اسلامی معاشرت کا آج اور کل	۷۴
۱۱۔ یقیں محکم عمل پیہم	۸۲
۱۲۔ کھل جائے جس سے آنکھ	۸۸
۱۳۔ راہِ ارتقاء	۹۳
۱۴۔ اسلام اور تحفظِ حیوانات	۱۰۴
۱۵۔ عظمت کا نشان	۱۰۹
۱۶۔ آتنک یا امن	۱۱۵
۱۷۔ پُر حیات فکر	۱۳۴
۱۸۔ خوش پوشی کا اسلامی نظریہ	۱۳۹
۱۹۔ یہ مشینی ترقی پسند طرزِ زندگی اور اسوۂ حسنہ	۱۴۵
۲۰۔ فلسطین میں اسرائیلی مظالم اور عالم اسلام	۱۵۶
۲۱۔ طریقہ تدریس اور قرآن کریم	۱۶۳
۲۲۔ الفاروق کی دورِ جدید میں معنویت	۱۷۲
۲۳۔ عید الفطر کی تاریخ اور مقصد	۱۸۱
۲۴۔ رسالت کا مقصد اور اہمیت	۱۸۸
۲۵۔ مختلف المذاہب سماج اور اسلام	۱۹۳
۲۶۔ اسلام امن پسند ہے، جنگ پسند نہیں	۱۹۹
۲۷۔ سرسید احمد خاں کی اسلامی فکر	۲۰۳
۲۸۔ حضرت شیخ احمد سرہندی	۲۱۴
۲۹۔ مفکرِ اسلام شیخ ابوالحسن علی الندویؒ	۲۲۶
۳۰۔ شیخ محمد عبداللہ اور اکیسویں صدی سے مطابقت رکھتی ہوئی ان کی دوررس نگاہ	۲۳۱
۳۱۔ شاہ عبدالرحیمؒ ایک مفکرؒ صوفی	۲۳۷
۳۲۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری	۲۴۳
۳۳۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی حیات و خدمات	۲۴۶
۳۴۔ آدابِ گلشن (نظم)	۲۶۲

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدمہ

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام تمام انسانوں کے لیے ربّ العٰلمین کی طرف سے ایک عظیم ترین تحفہ ہے۔ ہمہ گیر، آفاقی، ابدی ہے۔ فرد، معاشرہ، ملک وملّت بلکہ تمام انسانی برادری کے لیے امن وسکون اور فیض کا باعث ہے۔

رسالوں میں چھپے ہوئے دینی مضامین کی افادیت ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے ہوتی ہے، خاص طور سے وہ مضامین جو موجودہ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وقت کی ضرورت کے حساب سے لکھے گئے ہوں اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے معلوماتی مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے۔

موجودہ تاریخی، ملّی، ملکی اور عالمی، سیاسی حالات سائنس کے تجربات ومعلومات اور جنگی وہنگامی اثرات نے معاشرت، معاشیات، مذہبی رجحان، تہذیب وثقافت اور عوام النّاس کی سوچ اور فکر پر غیر معمولی طور پر اثر ڈالا ہے، بلکہ کچھ روحانی طور پر ناکارہ اور ظاہرہ میں برسرِ اقتدار لوگوں نے ایسا علمی اور تاریخی گھٹالا مچایا ہے کہ خود پڑھے لکھے طبقہ کے پاس بہت سی معلومات صحیح نہیں پہنچتی۔ اُنہیں حالات پر غور وفکر کا نتیجہ ہے یہ کتاب۔

اسلام میں تمام مسائل کا حل وسعتِ نظری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ صحت مند قوم اُسی وقت وجود میں آسکتی ہے اور زندہ رہ سکتی ہے جب کہ روحانیت اور مادیت میں توازن ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۝

Marfat.com

(سورۃ الرّحمٰن آیت ۸۔۷) (ترجمہ: اور اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ حد سے تجاوز نہ کرو)۔

ایمان اور وجدان کے ذریعہ سکینہ کی تلاش سے اصل نورانی جذبہ اُبھر کر پروان چڑھتا ہے۔ اِسلام مؤثر حکمتِ عملی، تفکر و تدبّر اور تعقّل کے ذریعہ جذبات اور نفس پر قابو پانا سکھاتا ہے اور زندگی کی دوڑ میں رواں دواں رہنے کی تربیت دیتا ہے۔ حدیث رسولؐ کے مطابق مومن کو چاہیے کہ دین اور دنیا دونوں کے حصّہ کو نظر انداز نہ ہونے دے۔ اصلیت یہ ہے کہ اِسی میں انسان کی فلاح ہے اور پوری انسانیت کی فلاح و بقاء ہے۔

اسلام زندگی کی حقیقتوں سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے۔ اسلام کی تعلیمات ہر شعبۂ حیات کے لیے کافی وشافی ہیں۔ اللہ انسان کو زندگی میں سکون اور راحت، اعتدال اور آسانی مہیّا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ) (ترجمہ: اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تنگی (اور سختی) نہیں چاہتا)۔

فطرت کے خلاف چلنے پر ہی، بے چینی اور انتشار برپا ہوتا ہے۔ دینِ فطرت کے مطابق زندگی گزارنے میں ہی ترقی وتعمیر ہے۔

دینِ احمد راستہ ہے سر بسرِ تعمیر کا
ارتقاء کا روشنی کا خواب کا تعبیر کا

میرے یہ تمام مضامین مختلف رسالوں، میگزینوں اور اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔ اب یہ کتابی شکل میں علمِ دین کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اور خاص طور پر شریعتِ اسلام پر عمل کرنے کے لیے کوشاں رہنے والوں کے لیے حاضر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اِس علمی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اِس کی اشاعت سے تمام

Marfat.com

انسانوں کو خاص کر مسلمانوں کو فیض پہنچے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی علمی خدمات میں اضافہ ہو۔ آمین!

میں اپنے شریکِ حیات سید محمد حبیب اللہ کی مشکور ہوں کیونکہ علمی میدان میں میرے آگے بڑھنے سے وہ ہمیشہ خوش ہوئے اور ہمّت افزائی کی۔ بچوں کا بہت خیال رکھا۔ اللہ تعالیٰ میرے بچوں ڈاکٹر سید کامران حبیب، صفیہ حبیب اور انجم حبیب پر اپنی رحمت فرمائے۔ اُن کی نیک طبیعت اور علم سے شوق کی وجہ سے مجھے ذہنی سکون رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب وتہذیب کے سلسلے میں محترمہ پروفیسر حمیدہ احمد صاحبہ اور محترم شیمم احمد صاحب سابق وائس چانسلر، اے. ایم. یو علی گڑھ کے مشورہ اور توجہ کی خصوصی طور پر ممنون ہوں۔ اللہ ربُّ العزّت اجرِ خیر عطا فرمائے۔ آمین!

اس میں کوئی شک نہیں کہ:

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ○ (سورۃ ھود آیت ۸۸) [ترجمہ: اور مجھے توفیق کا مِلنا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف رجوع کیے ہوئے ہوں]۔

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

........•:0:•........

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ
اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ آلِ عمران۔۱۰۳)

ترجمہ: ''اور سب مل کر اللہ کی رسّی (ہدایت) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں مین الفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اُس سے بچالیا۔ اِس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

........•:0:•.........

"بات ہے وصال کی فراق کی نہیں"

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ کی بیش بہا کتاب حجۃ اللہ البالغہ اسلام کے علمی، فکری اور تجدیدی کمال کا عظیم پیکر ہے۔ آئینۂ تحقیق وتنقید ہے۔ عملی شعور کو تازہ وتوانا کرنے کی بڑی کوشش کا نتیجہ ہے۔ عزم خفتہ کو بیدار و متحرک کرنے میں کوئی دقیقہ نہ رکھا۔ یہ کتاب علم کلام کا بہترین نمونہ ہے۔

غالباً شاہ صاحب نے اپنی کتاب کا نام قرآن مجید کی ایک آیت جس کا ترجمہ "کہہ دے کہ اللہ کی حجۃ ہی غالب ہے" (الانعام۔۱۵۰) سے اخذ کیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب نے "شریعت کے اسرار وحکم" حدیث اور سنّت کی عقلی تشریح کے لیے لکھی ہے۔ آپ نے کتاب ان مباحث سے شروع کی جن کا تعلق دنیا کے نظامِ تکوینی اور حیاتِ انسانی سے ہے اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند معاشرہ اور صالح تمدّن وجود میں آتا ہے یعنی ارتفاقات سے شروع کیا۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنون دینیہ کی اصل واساس علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین کے قول وفعل یا کسی بات پر آپ کے سکوت ورضا مندی کا ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد وہدایت کا سنگِ میل اور بدر کامل ہیں۔ جو شخص اُن پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اُن کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جو بد بخت اس سے اعتراض روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے، اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس لیے کہ آنحضرتؐ کی زندگی امر ونہی انذار وتبشیر اور نصیحت وتذکیر سے معمور ہے۔

Marfat.com

اس کتاب کو لکھنے کا محرک ہندوستان کی اُس وقت کی صورتِ حال ہے۔ دینی حلقوں میں بدعات، عوام مسلمین کی سیرتِ رسولؐ اور قرآن حدیث سے جاہلیت، غیر مسلموں کی تقلید بد اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا دھواں چھایا ہوا تھا۔ ان سب کے اندر سے اصل اسلام کی صورتِ زیبا دیکھنا مشکل تھا۔ آج حالت اِس سے بھی زیادہ دگرگوں ہے۔

یہ کتاب شاہ صاحب کی فطری سلامت طبع اور معتدل مزاج کی عکاسی کرتی ہے۔ نہ غلو ہے، نہ حد اعتدال سے تجاوز۔

صرف کسی ایک خاص رجحان کے زبردست غلبہ یا کسی دور خاص کے زیردست ہونا، اور بغیر غور کئے اثر پذیر ہوتے رہنا شریعت سماوی اور تعلیمات نبوی کی پٹری سے اُترنا زندگی کے اصل مقصد سے ہٹنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے جو نظریۂ مسلک اختیار کیا اور اس کے تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر قرنِ اوّل کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ اور فطرت انسانی سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے، بتایا کہ لوگ اپنی زندگی میں عبادات اور معاملات میں نئے نئے مسائل و مشکلات کو کس طرح حل کرتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے باب ’’حکایۃ حال النّاسِ قبل المأۃ الرابعہ وبعدھا‘‘

میں تحریر فرماتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی سے قبل لوگ کسی ایک معیّن مذہب (فقہی مسلک) کے پابند اور اس کی مکمّل تقلید پر اجماع کئے ہوئے نہیں تھے۔ ابوطالب مکّی اپنی کتاب ’’قوت القلوب‘‘ میں لکھتے ہیں کہ تصنیفی انداز کی کتابیں اور فقہی مسائل کے مجموعے اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں۔ لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا کہنا، کسی ایک مذہب

یعنی مسلک پر فتویٰ دینا اس کے قول کو دستورالعمل بنالینا اور اُسی کو نقل کرنا، اُسی کے اصولوں اور بنیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری صدی میں وجود نہیں تھا (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱۔۱۵۲)۔

شاہ صاحب نے حرمین شریفین میں بزرگ اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ استاد شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی جلیل القدر شافعی محدّث سے تلمذ اور استفادہ کیا۔ شیخ حسن عجمی، احمد نخلی، شیخ عبداللہ بصری، شیخ عبداللہ لاہوری، شیخ سعید کوکنی، شیخ تاج الدین حنفی مفتی مکہ تھے۔ شاہ صاحب نے موطاء امام مالک کا گہرا مطالعہ کیا۔ شیخ محمد بن سلیمان المغربی اور امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی وغیرہ سے بھی فیض حاصل کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے غالی فقہا جو اپنے مسلک سے سرمو انحراف کرنے کے لیے تیار نہیں اور فرقۂ ظاہریہ جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہا کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو عاملینِ علم کے سرتاج اور اہلِ دین کے امام و پیشوا ہیں، اُن کی روش پر تنقید کی ہے۔ دونوں کے غلو وانتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور صاف لکھا ہے ''انّ الحق امر بَیْن بَیْن''۔

حضرت شاہ ولی اللہ کسی ایک ہی مذہب یعنی مسلک کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اُسی کے مطابق مسائل واحکام میں تفقہ اور اُسی مسلک کے تحقیقات واجتہاد کی نقل وروایت کے عادی نہیں تھے، لکھتے ہیں:

> مسلم عوام کو اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی بھی مفتی سے جس تک اس کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مسلک کے تعیّن کے بغیر رجوع کر لیتے تھے اور اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔ احکام قرآن احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہ کی موجودگی میں ان کو اپنے مسائل میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ورنہ اپنے سے پیشتر فقہا اور

Marfat.com

علما کے کلام کی طرف رجوع کرتا تھا۔ اگر اس کے پاس دو قول ملتے تو وہ اُن میں سے وہ اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلّل ہونا چاہیے۔ یہ قول علماءِ مدینہ کا ہوتا یا علماءِ کوفہ کا۔ جو بھی تخریج کی اہلیت رکھتے تھے۔ ایسے مسئلہ میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی۔ تخریج واجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اس زمانہ میں قضاء وافتاء پر اس کا تقرر کیا جاتا تھا جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی۔ فقیہ بھی وہی کہلاتا تھا جو مجتہد ہوتا تھا۔ پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے چپ وراست کا راستہ اختیار کیا (حجۃ اللہ البالغہ ۱۵۳۔۱۵۲)

آگے شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اگر ہمیں رسول معصومؐ جن کی اطاعت کو اللہ نے ہم پر فرض کیا ہے، کوئی حدیث قابل وثوق سند سے پہنچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو اور ہم (مسلمان) اس حدیث کو چھوڑ کر اور اس ظنی طریقہ کی پیروی کریں تو ہم (یعنی ایسے مسلم) سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا اور کل اللہ کے سامنے کیا عذر ہوگا۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ۱۵۵۔۱۵۶)۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے: ''مسائل فقہ کو کلام اللہ اور حدیثِ رسولؐ سے ملاتے رہنا چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں ''امام ابوحنیفہ'' کا مرتبہ اجتہاد واستنباط کے سلسلے میں بہت بلند تھا۔ تخریجات کے وجوہ اشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے۔ مسائل جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔''

اُسی کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور سے موطاء کی صحت، اس کے مرتبہ ومقام اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں اور موطاء کو حدیث کی اساسی

Marfat.com

کتابوں میں مانتے ہیں۔

دوسری طرف شافعی مسلک کے منقح و مصفّٰی اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر بلند الفاظوں میں کرتے ہیں اور امام شافعی کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں (الخیر الکثیر ۱۲۴)۔

امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: ''ان فقہا و محدّثین میں سب سے اعلیٰ مرتبہ وسیع الرّوایۃ، حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبل ہیں، پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔ (حجۃ ۱۵۰)

حضرت شاہ ولی اللہ کے مذہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا، وہ متوازن و معتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے جو شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا ہے اور جو ان کی طبع سلیم، ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے۔ ایک طرف وہ علماءِ کرام تھے جو ہر ایک مسلمان کو براہِ راست کتاب پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا اور ہے جو تقلید کو اس طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا ہے اور اس کے تارک کو یعنی صرف کسی ایک ہی فقیہ پر مکمّل طور سے ہمیشہ نہ جمے رہنے والے کو فاسق اور رضال سے یاد کرتا ہے۔ یہ گروہ اس حقیقت کو بھلا دیتا ہے کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، مذہبی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقعہ دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے لیکن اُنہوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا اور اس پر شدّت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلہ اجتہادی کے بجائے منصوص

Marfat.com

اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

آپ کی فقہ و حدیث میں تطبیق اور مجددانہ اور مجتہدانہ کوشش سے اُس بشارت نبویؐ کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ تم سے اللہ اُس امت کی شیرازہ بندی کے لیے ایک خاص نوع کا کام لیگا۔ فیوض الحرمین ص ۶۲۔

شاہ ولی اللہؒ عارف رومی کے اس شعر کے مصداق تھے:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

آپ لکھتے ہیں یاد رکھو ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چندوں کو بالکل نظر انداز کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔ اس کے کئی وجوہ واسباب ہیں۔ ایک یہ کہ اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے۔ تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر۔ (وعلیٰ ھٰذا القیاس) ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا۔ عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے اور نقل جب ہی ممکن ہے جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے، اخذ کرے۔ استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب (مسلک) معلوم ہوں تاکہ اُن کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر فرقِ اجماع نہ ہو جائے اس لیے اُن کے اقوال جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سند صحیح سے مروی مشہور کتابوں میں مدوّن ہوں (رسالہ عقد الجیّد فی احکام الاجتہاد والتقلید)۔ صفحہ ۳۶۔۳۷

تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو

Marfat.com

کہ مقصود صاحب شریعت کا اتباع اور کتاب وسنت کی پیروی ہے، اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کی تقلید کر رہے ہیں وہ کتاب وسنت کا عالم اور شریعتِ اسلامی کا نمائندہ اور ترجمان ہے۔ نیز یہ کہ ذہن اس کے لیے تیار رہے کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے گا کہ صورتِ حال اس سے مختلف ہے اور سنّتِ رسولؐ سے ثابت حکم دوسرا ہے تو ایک صاحبِ ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

آپکا یہ نقطۂ نظر قرآن کریم کے مطابق ہے

ترجمہ: ''تمہارے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہونگے'' سورۃ النساء آیت ۶۵۔

قرآن کریم اور احادیث شریفہ، آثارِ صحابہ اور خود ائمہ اربعہ سے کوئی بھی قول ایسا نہیں جس میں یہ ہدایت پائی جاتی ہو کہ مسلمان صرف اور صرف ایک ہی عالمِ دین مجتہد امام کی تقلید پر کمربستہ رہیں اور دوسرے بزرگ و برتر علماءِ دین کی آراء پر تفکر و تدبر سے کام نہ لیں اور نہ کسی بھی صورت میں عمل کریں۔

شاہ صاحب کسی مسئلہ کو مقلدانہ نظر سے نہ دیکھتے بلکہ قرآن وسنّت پیش کرتے اور فقہ کے دوسرے مسالک سے عناد آپ کا طریقہ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا میں مذاہب اربعہ مشہورہ میں بقدر امکان جمع کرتا ہوں اور اس مسلک پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث کی رو سے صحیح ہے۔ آپ نے کہا ایسے خشک دماغ فقہا کی بات کبھی نہ سننی چاہیے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو اپنی دستاویز کو سمجھ لے اور سنّتِ رسولؐ کو ترک کر دے۔

تفریعات فقہیہ کو ہمیشہ کتاب (قرآن کریم) اور سنّت سے منطبق کرتے رہنا چاہیے۔

فرمایا مخفی نہ رہے کہ میں پیشتر امور میں مذہبِ حنفی کے مطابق عمل کرتا ہوں لیکن

Marfat.com

بعض امور کو حدیث اور وجدان (حکمت وعقل) کے ذریعہ پرکھ کر کسی دیگر مذاہب (مسالک) کے مطابق سرانجام دیتا ہوں (انفاس العارفین)۔

مسالکِ اربعہ کی اہمیت فقہا کی خدمات، نکتہ شناسی اور اُن کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی وحدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابلِ استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی، کو مضرومحرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ ہر دور کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے۔ یعنی اجتہاد منتسب اور وہ نام ہے۔ احکام شرعی کو ان کی تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریعی مسائل اور ترتیب احکام کا خواہ وہ کسی صاحب (مسلک) مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ یہ عظیم ذمہ داری ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف بزرگ و برتر زبردست علماءِ دین جن کے دل میں اللہ کے خوف کے علاوہ کسی کا ڈر نہ ہو۔ علومِ دین کا تفصیلی علم، نکتہ داں اور نکتہ فہم، حالات سے آگہی اور جن کے دل میں انسان اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ بلکہ لگن اور تڑپ ہو، ایسی ہی مصفیٰ اور متقی ہستیاں اس ذمہ داری کو سنبھال سکتی ہیں۔

شاہ صاحب نے متعصب فرقہ پرستوں اور مختلف مکتبِ فکر کے لوگوں کو ایک نقطۂ اعتدال پر لا کر اُن میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج پھر اس خیال کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

"قرآن کریم اور ماحولیات کا تحفظ"

قرآن کریم اپنے اسلوب، موضوع اور مباحث کے لحاظ سے واحد آسمانی کتاب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں ہدایات ملتی ہیں، نظافت، صحت اور ماحول کو بہتر و زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے بھی اس میں اصول اور ضوابط بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں بر و بحر، نباتات و حیوانات، چرند و پرند اور کیڑوں مکوڑوں کا ذکر مختلف مقامات پر آیا ہے اور یہ بھی کہ انسان کو اس سے کس قدر فائدہ پہنچتا ہے۔ بعض آیات میں اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

قرآنی فکر اور مہذب سماج اور پاک وصاف طرزِ معاشرت میں بہت گہرا تعلق ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے فکر و عمل میں جتنی پاکیزگی و شفافیت آتی ہے، اُسی اعتبار سے طریقِ معاشرت پاک صاف اور بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے لیے ہر چیز میں پاکی و صفائی کو پسند فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝ (سورۃ بنی اسرائیل آیت۔ ۷۰)

(ترجمہ: اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزّ و شرف بخشا اور اُن کو خشکی و سمندر پر سوار کیا اور اُن کو پاک اشیاء میں سے روزی دی اور اُن کو ہم نے فضیلت دی کثیر مخلوق پر)

نظافت اور پاکیزگی کو انسانیت کا جز قرار دیا گیا اور اسے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ اوصاف میں شمار کیا گیا۔ صفائی ستھرائی کی اہمیت اس سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ پاک وصاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ○ (البقرہ/۲۲۲)

(بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے)

بلاشبہ حدیث قرآن کی بہترین تشریح وتوضیح ہے۔ احادیثِ نبویؐ سے بھی طہارت و نظافت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

الطہور شطر الایمان [1] (طہارت نصف ایمان ہے)۔

بیسویں صدی کے آخری حصہ میں جب ماحول کافی حد تک تکدر وکثافت کا شکار ہو گیا تو ماحولیات کے تحفظ (ENVIRONMENTAL PROTECTION) کے سلسلہ میں تحریر وتقریر اور دوسرے ذرائع سے لوگوں کو باخبر کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں اور اس سے متعلق مضامین وکتابیں منظرِ عام پر آنے لگیں۔ دوسری جانب اب سے تقریباً ساڑھے چودہ سو برس پہلے قرآن کی دوسری ہی وحی میں نبی کریم (ﷺ) کے توسط سے انسانوں کو ناپاکی وگندگی سے دور رہنے کی ہدایت دی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ○

(المدثر ا۔۵)

(اے چادر لپیٹے رکھنے والے! اُٹھو اور ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو)۔

یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مشہور مترجمینِ قرآن محمد پکتھال اور عبداللہ یوسف علی نے مذکورہ آیات میں ''وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ'' کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے: [۲]

Pollution Shun / And all abomination Shun

قرآن میں نماز کے وقت جسم، لباس اور جگہ کی پاکی کو ضروری قرار دینے کا ایک

Marfat.com

مقصد یہ ہے کہ انسان روزمرّہ زندگی یا عام حالات میں بھی پاک وصاف رہے اور ہر چیز کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھے۔

قرآن کریم میں یہ صاف طور پر مذکور ہے کہ اللہ ربُّ العٰلمین نے نبی آخرالزّماں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ساری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء۔۱۰۷)

یعنی آپ انسان، حیوانات، نباتات، وحشرات الارض سب کے لیے رحمت ہیں، آپؐ کی ہدایات انسانی تہذیب وتمدّن کے ارتقاء کی ضامن اور انسانیت کی خیر وفلاح کا منبع ہیں۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عوامی مقامات، راستہ اور سایہ دار جگہوں کو صاف رکھنے کی ہدایت فرمائی تا کہ مسافروں کو آمد ورفت اور استراحت میں دقّت نہ ہو، آب وہوا صاف رہے اور ماحول کثافت آلودہ نہ ہو جائے۔

حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس سے مجھے نفع حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ "تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے ہٹا دو۔"(۳) آپؐ گندگی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی صفائی ستھرائی کی تلقین فرماتے تھے۔ بعض اوقات آپؐ نے مسجد کی دیوار کی گندگی خود اپنے ہاتھ سے صاف کی۔(۴)

تجربات شاہد ہیں کہ جن مقامات پر درخت کٹتے چلے جا رہے ہیں اور جنگل ختم ہوتے جا رہے ہیں وہاں بارش کی کمی اور خشک سالی کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، قحط پڑ جاتا ہے اور لوگ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ پیڑ پودے ماحول کی کثافت کو بھی کسی حد تک اپنے اندر جذب کر کے

Marfat.com

انسانوں کے لیے ہوا کو صاف کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ درختوں اور پودوں کی جڑیں آس پاس کی مٹی کو کافی حد تک مضبوطی سے جکڑے رہتی ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آندھی اور طوفان کے تھپیڑے زرخیز مٹی کی پرت کو اُڑا کر نہیں لے جا پاتے۔ اس طرح مٹی زرخیز رہتی ہے۔ موسم کو معتدل رکھنے میں بھی درخت معاون بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ درختوں کی کمی کی وجہ سے زمینیں بھی بنجر ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سیاق میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ ہدایات وتعلیمات کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

''جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے پھر اس میں کوئی شخص یا پرندہ یا کوئی چوپایا کھاتا ہے تو درخت لگانے والے کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔''(۵)

ایک اور حدیث میں حضرت رافع بن خدیجہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو اپنے بھائی کو (عاریۃً یا ہدیۃً) دے دے یا خود زراعت کرے۔''(٦)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''جو شخص بنجر زمین کو زرخیز بنائے وہ اسی کی ہے۔''(۷)

یہ ذکر بھی یہاں اہمیت سے خالی نہیں کہ قرآن کریم میں ان لوگوں پر سخت نکیر ظاہر کی گئی ہے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں جس کے نتیجہ میں نسلِ انسانی اور کھیتی باڑی سب تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ٥ (البقرہ۔۲۰۵)

(جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں اس لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے تا کہ فساد مچائے اور کھیتی و نسلِ

Marfat.com

(انسانی) کو تباہ کرے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا)۔

قرآن وحدیث کی ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ماحول کے خوش گوار اور صاف رہنے کے ساتھ انسان کی اقتصادی حالت بھی بہتر ومضبوط ہوتی ہے اور وہ تمام جانور اور حشرات الارض جو قدرتی طور پر کسی نہ کسی طرح ماحول میں توازن برقرار رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں اور ان کی نسل باقی رہتی ہے۔ مزید براں صفائی ستھرائی کا خیال رکھنے اور گندگی سے دور رہنے پر زور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں بھی ملتا ہے کہ "برتنوں کو ڈھک کر رکھو اور پانی کے برتنوں کے منہ بند کر دیا کرو۔"(۸) اسی طرح کھانا کھانے سے قبل آپ نے ہاتھ دھونے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔(۹)

اسلامی شریعت میں مردہ جسم کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابتداءِ کائنات ہی سے انسان کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ قابیل وہابیل کے واقعہ (مذکورہ سورۃ المائدہ/۳۱) سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ اس حکم پر عمل کرنے کے بہت سارے فوائد میں ایک یہ بھی ہے کہ انسان ہوا کی آلودگی (Air Pollution) سے محفوظ رہتا ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں پانی کی کمی اور اس کی آلودگی کے مسائل بھی بہت سنگین ہو گئے ہیں۔ لوگ پینے کے پانی کو ترس رہے ہیں۔ دریاؤں کی نسبت سے پانی کی تقسیم سے متعلق سرکاری اختلافات سامنے آتے رہتے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے علاقوں میں انسانوں اور جانوروں کو اتنا پانی نصیب نہیں جو ان کی کفایت کر سکے۔ جو کچھ دستیاب ہے وہ صاف نہیں ہے بلکہ آلودگی سے بھرا ہوا ہے۔ ان حالات میں گندگی وبیماری کا پھیلنا لازمی ہے اور یہ سب نتیجہ ہے پانی کو

مسلسل بیجا صرف کرتے رہنے کا اور دریاؤں و پانی کے دوسرے ذرائع کو خراب یا گندہ کرتے رہنے کا۔ پانی بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اس میں جان ہے اور دوسری مخلوقات کے لیے زندگی وصحت کا ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰبَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (سورۃ الاعراف آیت ۳۱) (اے بنی آدم! تمام عبادت گاہوں میں جو زینت ہے اُس کو قائم رکھو، کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔)

کُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِینَ (البقرہ/۶۰)

(اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد برپا کرتے مت پھرو)

ان آیات سے پانی سے بیجا خرچ کرنے کی ممانعت بھی صاف واضح ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی شریعت کی رو سے رکے ہوئے یا بہتے ہوئے پانی میں گندگی ڈالنا ممنوع ہے۔

آج کل شور وشغب وسخت آواز کی وجہ سے انسان ماحول میں شور کی آلودگی (Noise Pollution) کا بھی شکار ہے۔ اس سبب سے کم سننے یا بہرے ہو جانے کے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے اہم وضروری کاموں پر توجہ دینے میں کافی دقّت ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث دونوں سے بلاضرورت آواز بلند کرنے اور زور سے پکارنے کی مذمّت ثابت ہوتی ہے اور ہر بات میں بھی معتدل رویّہ اختیار کرنے اور ہلکی آواز سے بولنے کی تعلیم ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاقْصِدْ فِی مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِکَ ۝ (لقمان/۱۹)

(اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔)

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ جنگ ماحول، آب وہوا، انسانی ذہن، وقت صلاحیت، کھیتی باڑی، پیڑ پودے اور امن وامان سب کو تباہ وبرباد کرتی ہے۔ اسی لیے نسلی ونسبی تعصب

۷۲۹۱۴

کی بنیاد پر جنگ کرنے اور قوت و طاقت کے مظاہرہ اور مال و دولت کے حصول کے لیے دوسروں سے برسرِ پیکار ہونے کی قرآن میں سخت ممانعت آئی ہے اور اسے فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت ناپسند کرتا ہے جو ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۝ (الاعراف/۸۵)

(اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ برپا کرو۔)

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (المائدہ/۶۴) اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

درحقیقت قرآن کی رو سے جہاد فساد اور ظلم روکنے کے لیے ہے۔ یہ ظالم کو صحیح راستہ پر لانے کی ایک عظیم کوشش ہے۔ بالفاظِ دیگر زمین میں امن و امان قائم کرنے اور اسے مفسدوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سے جانور اور پرندے جو جسمِ انسانی کے لیے نقصان دہ ہیں لیکن ماحول کی آلودگی ختم کرنے اور ماحول کو صاف رکھنے میں کسی نہ کسی طرح مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے ماحولیات کے تحفظ کا قدرتی نظم فراہم ہوتا ہے۔ اسلام حیوانات اور چرند و پرند سے ہمدردی و نرمی برتنے کی تعلیم دیتا ہے اور بلاوجہ اُن کے مارنے کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ بعض اوقات انسان محض نمود و نمائش اور کھیل و تفریح کی خاطر جانوروں و پرندوں کو مارتا ہے حتیٰ کہ کچھ لوگ جانوروں کو آپس میں لڑوا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اسلام ان سب باتوں کو نہ روادار رکھتا ہے اور نہ پسند ہی کرتا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ماحول کو پاک و صاف رکھنے اور ماحولیات کے تحفّظ کی مہم اُسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی مخلوقات سے محبت و ہمدردی اور اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی کا تصور انسانوں کے

Marfat.com

دلوں میں نقش ہو جائے۔ قرآن کریم سے یہی تعلیم ملتی ہے اور اُسی پر عمل کرنے میں انسان کی بھلائی ہے۔ مختصر یہ کہ انسان جب قرآن کریم کی ہدایت کو خلوصِ نیت اور حُسنِ تدبیر کے ساتھ عمل میں لائے گا تب ہی اسے خوش گوار فضا اور صاف ستھرے ماحول میں سانس لینا و رہنا نصیب ہوگا۔ اللہ کرے ہم سب اس حقیقت کو سمجھ جائیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح مسلم کتاب الاطھارۃ، باب فصل الوضوء۔

۲۔ Muhammad Marmaduke Pickthal, *Holy Quran with English Translation*, Delhi (n.d.), p.709, Abdullah Yusuf Ali, *The Holy Quran*, Text.Translation and Commentary, New York, 1946, 11/1640.

۳۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب فصل ازالة الاذى عن الطريق۔

۴۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد و الجماعات، باب کراهية النخامة فی المسجد۔

۵۔ جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الغرس۔

۶۔ جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی المزارعة -

۷۔ جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی احیاء ارض الموات۔

۸۔ صحیح بخاری، کتاب بداء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق یقتل فی الحرم۔

۹۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمة، باب غسل الیدین عند الطعام۔

Marfat.com

"حقوق انسان اوراسلام"

حقوقِ انسان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی تاریخِ انسان یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بنایا، حضرت حوّا کی تخلیق کی اور اُسی کے ساتھ دونوں کو بتا دیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے اور صحیح راستہ پر لگے رہنے کی حد بھی اُسی وقت سے قائم ہوئی۔

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو جو چاہو لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے (البقرہ ۳۵)۔

دنیا میں انسانوں کے اضافہ اور نسلوں کے بڑھتے رہنے کے حساب سے حقوق و فرائض میں بھی بتدریج توسیع ہوتی گئی۔ نبی آخرالزّماں خاتم النّبیین محمدؐ دینِ کامل لیکر آئے۔ آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے دین مکمّل فرمایا جو تر و تازہ اور قابلِ عمل ہے۔ ہر وقت ہر دور میں، سفر و حضر میں، میدان میں جنگل میں، پہاڑ پر، دریا میں، جنگ کی حالت میں اور امن و سکون کے اوقات میں۔

آج کافر (ناشکرے، حق کو نہ پہچاننے والے) ناامید ہو گئے (اس بات سے کہ کچھ بھی نقصان پہنچا پائیں گے دین اسلام کو) تمہارے دین سے تو ان سے مت ڈرو، مجھ ہی سے (صرف اللہ سے) ڈرتے رہو۔ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (المائدہ۔۳)

اب موجودہ بنیادی مآخذ مکمّل طور پر صحیح اور معتبر کتابِ الٰہی قرآن کریم ہے جس میں حقوقِ انسان مختلف سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں یعنی حقوقِ انسان کی مکمّل تاریخ اور تکمیل شدہ احکام کی تاریخ تقریباً ۱۴۲۵ سال پرانی ہے (جب کہ دوسرے لوگوں کے یہاں ۱۸۱۷، ۱۹۲۰ اور ۱۹۲۷ ہی ہے)۔

رہی بات ہیومن ریسورس (Human Resource) کی یہ بات بھی بہت پہلے ذکر کردی گئی ہے۔

ترجمہ: ہم نے (اللہ تعالیٰ) انسان کو سب سے زیادہ اشرف بنایا (بنی اسرائیل آیت ۷۰)۔

کہیں فرمایا: ''ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت (فریم۔Stature) میں پیدا کیا (سورۃ التین آیت ۴)۔

فرمانِ ربُّ العزّت ہے ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخّر کر دیا (کافی حد تک قبضہ میں کر دیا) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سورۃ لقمان آیت ۲۰) اور اس طرح کا مضمون سورۃ ابراھیم، النحل، الحج سورۃ الزخرف اور الجاثیہ میں بھی ہے۔

قرآن کریم میں حقوقِ انسان کے سلسلے میں جامع آیت

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۣ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (سورۃ النساء آیات ۳۶۔۳۷)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی ساتھ پاس اُٹھنے بیٹھنے والے) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہوں سب کے ساتھ احسان

Marfat.com

(یعنی اچھا سلوک) کرو کہ (اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) غرور کرنے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل کی ترغیب دیں اور جو اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھیں۔''

انسانی سماج آپسی تعلقات، معاملات رشتوں اور ناطوں سے وجود پاتا ہے۔ اگر معاشرہ میں سب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں کوشاں ہونگے تب ہی معاشرہ پُر امن اور بابرکت ہوگا۔ جو ایک کا حق ہے، وہی دوسرے کا فرض ہے۔ حق شناس ہونے کے ساتھ فرض شناسی بھی نہایت اہم ہے تب ہی حق دار کو حق ملنے میں آسانی ہوتی رہے گی۔

انسان کے اوپر خود اس کا اپنا حق بھی اللہ تعالیٰ نے لازم کر دیا۔

ترجمہ: ''مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو'' سورۃ النساء آیت ۲۹)

مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ خودکشی کرنا حرام ہے۔ نبی کریمؐ کی حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو شخص اپنی جان کو تلف کرے گا وہ قیامت تک زندہ ہوتا رہے گا اور جس طریقہ سے اس نے اپنے آپ کو مارا ہے، بار بار اُسی طریقہ سے مرتا رہیگا۔ (مسلم)

قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ (جہنم) سے بچاؤ (التحریم۔۶) دوزخ سے اپنے آپ کو بچانے کا مطلب تو یہی ہوا کہ انسان ایسے تمام کاموں اور بری عادتوں سے الگ رہے جو اس کے کردار کو خراب کرتے ہیں۔ ایسا انسان جو اپنے کردار کو اپنی فکر کو اور جسم کو پاک و صاف رکھے گا وہ یقیناً اپنے لیے اپنے متعلقین کے لیے، محلّہ، شہر، ملک و ملّت سب کے لیے سودمند ہوگا، بے ضرر ہی نہیں معاون بھی ہوگا۔ ایک دوسرے کے تعاون سے ملّی محبت اور ترقی پروان چڑھتی

Marfat.com

ہے۔تعاون کا اصول اس طرح بتایا گیا: ''بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو (المائدہ۔۲)۔

کئی بار غصہ انسان کو دوسرے کا حق ادا کرنے میں مانع ہوتا ہے۔دماغی تناؤ ہیجان دل کو غیر منصفانہ باتون پر آمادہ کرتا ہے اور اس طرح حقوق کے پامال ہونے کا ڈر ہو جاتا ہے۔اس پر روک لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جو غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے (سورۃ آلِ عمران۔۱۳۴)۔

حقوق و فرائض میں توازن صحت مند معاشرہ کی جان ہے۔آپسی محبت، طاقت اور امن وسکون کی بقاء کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے جس سے سارا جسم سیدھا اور مضبوط رہتا ہے۔

انسانی حقوق میں پہلا نمبر والدین کے حقوق کا ہے۔والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اُن کی فرماں برداری، دلجوئی، خدمت وعظمت اولاد پر واجب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے پاس اُن میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو اور نہ اُن کو جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار اُن پر رحم فرما جس طرح اُنہوں نے شفقت کے ساتھ بچپن میں مجھے پالا'' (بنی اسرائیل۔۲۳۔۲۴)۔

ایک شخص نے رسولِ خدا محمدؐ سے دریافت کیا، ''میرے حُسنِ سلوک کا مستحق کون

Marfat.com

ہے؟'' آپ نے فرمایا، ''تیری ماں'' اُس نے معلوم کیا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا ''تیری ماں'' اس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا، ''تیری ماں''، اُس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا ''تیرا باپ'' (بخاری کتاب الادب)۔

اللہ نے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے اور ظاہر ہے شکریہ زبان و عمل دونوں سے ہوتا ہے ''کہ میرا (یعنی اللہ تعالیٰ کا) اور اپنے والدین کا شکر ادا کرتا رہ'' (سورۂ لقمان آیت ۱۴)۔

رسولِ اکرمؐ نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے اور والدین کی نافرمانی کرنے کو کبیرہ گناہ بتایا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب)

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے رسولِ اکرمؐ سے پوچھا، ''اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا، ''وقت پر نماز پڑھنا'' پھر پوچھا، ''پھر کون سا عمل'' آپ نے فرمایا ''والدین کی فرماں برداری کرنا'' اس کے بعد معلوم کرنے پر فرمایا، جہاد فی سبیل اللہ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)۔

اگر ماں باپ ایسے کام کرنے کے لیے کہیں جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کو نہیں ماننا چاہیے، لیکن والدین کا احترام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

''اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے (اللہ کے) ساتھ کسی ایسے کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کی بات ہرگز نہ مان مگر دُنیا میں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کر'' (سورۂ لقمان آیت ۱۵)

زوجین یعنی شوہر بیوی ایک مشترکہ حیات کی تعمیر کرتے ہیں۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں۔ اگر یہ حقوق بے غرضی کے ساتھ ادا نہ کیے گئے اور خود پسندی اور خود غرضی سے

Marfat.com

ہر فرد صرف اپنا حق ہی پہچاننے میں لگ گیا تو انتشار اور تخریب کا باعث بن جاتا ہے۔

قرآن کریم میں حکم ہے ''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر وہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں'' (البقرہ ۲۲۸)۔

آخری خطبہ میں حضورؐ نے فرمایا تھا، ''تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے جس طرح تمہارے اوپر اُن کا حق ہے۔'' (جامع ترمذی)

دوسری حدیث میں ہے ''ان عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ اُن کے کھانے اور لباس کا اچھا انتظام کرو'' (ابوداؤد) شوہر بیوی کو ناحق اذیت نہ دے۔ ناگوار، الفاظوں سے خطاب نہ کرے۔ دلجوئی کرے، دین اور دنیا سے متعلق تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا بھی قرآن کریم کی رو سے شوہر پر بیوی کا حق ہے۔ (التحریم)

''اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اُن کے درمیان انصاف سے کام لے اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکے تو اُن کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو یا تین یا چار اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت'' یعنی ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ (النساء۔۳)

بیویوں کے مہر ادا کرنا شوہر کے لیے ضروری ہے۔ ''اور عورتوں کو اُن کے مہر ادا کرو خوشی سے'' (النساء۔۴) اللہ تعالیٰ نے وراثت میں عورتوں کا حق مقرر فرمایا: ''جو مال ماں، باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں، تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔'' یہ حصے مقرر کیے ہوئے ہیں (النساء۔۷)۔

شوہر کے بھی بیوی پر حقوق ہیں جن کی پاس داری کرنا بیوی کے لیے ضروری ہے۔ شوہر کے حقِ زوجیت کا خیال واحترام رکھنے کی تاکید حدیث میں ہے (بخاری و مسلم)۔

Marfat.com

بیوی کو چاہیے کہ شوہر کی عزت و وقار کا خیال رکھے، کسی ایسے شخص کو شوہر کی غیر موجودگی میں گھر میں نہ آنے دے جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ آپؐ (رسول اکرمؐ) کا ارشاد ہے ''اُن عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اُن کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں'' (مسلم) بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور دوسرے معاملات میں اس کے حکم کا پاس رکھے۔ آپؐ نے فرمایا ''بہترین بیویاں وہ ہیں جن کو تم دیکھو تو خوشی کا باعث ہو، جب تم اُن کو حکم کرو تو وہ اطاعت کریں، جب تم اُن سے جدا ہو تو وہ تمہارے غائبانہ میں اپنی عزت اور تمہارے مال کی حفاظت کریں (صحیحین)۔

مرد کو اللہ تعالیٰ نے ناظم اور قوام بنایا ہے۔ عورت پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس بات کو ملحوظ رکھے۔ بچوں کو بھی اس کا احترام اور حکم ماننے کی تربیت دے تاکہ گھر کا نظام متوازن اور صحیح طور پر چلتا رہے۔

''مرد عورتوں پر قوام (انچارج) ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس نیک بیویاں اطاعت شعار اُن کے پیچھے اللہ کی حفاظت میں خبردار کرتی ہیں'' (النساء۔۳۴)

رشتہ دار ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ قرآن کریم میں اس کو صلہ رحمی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ''رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کو ان کا حق دو، یہ بہتر ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (الرّوم، ۳۸)

ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ اس طرح ہے۔ ''بے شک اللہ تم کو عدل اور احسان قرابت داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' (النحل۔۹۰)

Marfat.com

رشتہ داروں میں بھی اُن کے قریبی رشتہ کا لحاظ رشتہ کے حساب سے رکھے جانے کی ترغیب ہے۔

''اللہ کی کتاب میں عام مومنین اور مہاجرین کے مقابلہ میں رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں (الاحزاب۔٦)۔

رسولِ اکرمؐ کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں اور اس رحم (رشتہ داری) کو میں نے اپنے نام سے نسبت دی ہے۔ جو اسے جوڑتا ہے میں اس سے جڑتا ہوں اور جو اُسے کاٹتا ہے میں اس سے کٹ جاتا ہوں'' (ترمذی کتاب البر والصلہ)

رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کیا جائے۔ رشتے کا لحاظ رکھنا مومنانہ صفت ہے ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے اور جن (رشتوں) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں اور جو پروردگار کی خوشی حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور جو ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔'' (سورۃ الرعد۲۲۔۲۰)۔

حقوقِ انسان کے سلسلے میں آپؐ کا آخری خطبہ عظیم جامع منشور ہے

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اُس کے رزق میں برکت دے، اس کے گناہ معاف کرے تو وہ صلہ رحمی کرے'' (بخاری کتاب الادب)

مومن کو چاہیے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے۔ اُن کی بد مزاجی اور بد سلوکی پر صبر اور برداشت سے کام لے۔ نبی کریمؐ سے ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ ''اللہ کے

Marfat.com

رسولؐ میرے رشتہ دار مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں اور میں اُن سے اچھا سلوک کرتا ہوں، میں اُن سے بردباری کرتا ہوں وہ مجھ سے جہالت برتتے ہیں۔" تو آپ نے فرمایا "تم اُن کے منہ میں خاک جھونک رہے ہو۔ اللہ تمہاری مدد اس وقت تک کرے گا جب تک تم یہ کرتے رہو گے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر وصلہ)

آپؐ کی ایک اور حدیث ہے "اگر رشتہ دار غریب ہوں تو صدقہ زکوٰۃ کی رقم دوسرے ضرورت مندوں کو دینے سے پہلے اپنے غریب رشتہ داروں کو دی جائے، مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے جب کہ رشتہ داروں کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی" (جامع ترمذی)۔

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی بڑی ہدایت دی گئی ہے۔ یہ اسلام میں قومی یکجہتی کی بہترین مثال ہے۔

رسولِ خداؐ نے فرمایا "جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔" (بخاری کتاب الادب)۔

آپؐ نے فرمایا "جبرئیلؑ نے مجھے پڑوسیوں کے بارے میں اتنی تاکید کی کہ میں نے سمجھا شاید وراثت میں ان کا حصہ ہے۔" (بخاری)

مومن کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہ دے چاہے پڑوسی کسی بھی مذہب و ملّت کا ہو، اس سے اس کے حقوق میں فرق نہیں آتا۔ اس کا خیال وخاطر واجب ہے اپنے پڑوسی پر۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں (یہ دو مرتبہ فرمایا) جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے (بخاری کتاب الادب)۔

پڑوسیوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ حُسن سلوک رواداری سے پیش آئیں۔ جب مدد کی ضرورت پڑے تو مدد کریں۔ بیماری میں عیادت، خوشی اور غم میں شرکت کریں اور

ہمدردی سے کام لیں۔ نبی کریمؐ کی حدیث ہے، جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔'' (بخاری)

پڑوسی اگر ضرورت مند ہو تو اس کی امداد کرنا چاہیے۔ ہادیٔ اعظمؐ کا ارشاد ہے ''وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھالیتا ہے اور اُس کا پڑوسی بھوکا رہتا ہے۔'' (ترمذی)۔

آپس میں ایک دوسرے کو تحفے اور ہدیہ دینا بہتر ہے، میل جول اور لین دین سے محبت بڑھتی ہے۔ جناب محمدؐ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا ''اے ابوذر اگر تمہارے یہاں شوربا پکے تو اس میں پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسی کے یہاں پہنچا دو۔'' (مسلم، کتاب البر والصلہ)۔

خوشگوار ماحول کے لیے ضروری ہے کہ پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں برابر دھیان رکھیں ورنہ قیامت کے روز باز پرس ہوگی۔ ایک ساتھ رہنے میں کئی ناگواریاں بھی ہو جاتی ہیں تو ان باتوں سے بچا جائے۔ غیبت ایک دوسرے کی ٹوح یعنی تجسس نہ کیا جائے اور اگر کوئی بات ہو بھی جائے تو قرآن کریم اور سنّت رسولؐ کی ہدایات کے مطابق معافی اور درگزر سے کام لیا جائے۔ اچھا پڑوس بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔

حقوقِ انسانی کے سلسلے میں ایک اور اہم حق جس پر نسلِ انسانی کی صحت روحانی اور جسمانی بلکہ سارے معاشرے کی فلاح کا دارومدار ہے وہ ہے والدین پر اولاد کا حق۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں پر محض مال و دولت اور دوسری خودغرضیوں کے لیے قتلِ اولاد سے بچیں اور اُن کو دنیا میں آنے اور رہنے کے حق سے نہ روکیں۔

ترجمہ: ''اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' (الانعام۔۱۵۲) اپنی حیثیت کے حساب سے اولاد کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا۔ بیٹیوں کی

Marfat.com

پرورش خوش دلی سے کرنا۔ آپؐ نے فرمایا جو مومن دو یا تین بیٹیوں کو اس طرح سے پرورش کرے کہ اُن میں احساسِ کم تری پیدا نہ ہو اور اس لائق کر دے کہ وہ کسی کی محتاج نہ رہیں تو ایسا شخص جنت میں جائے گا۔ (بخاری)

عام انسانوں کے حقوق بھی ایک دوسرے پر ہیں جو آپس میں رشتہ دار نہیں ہیں۔ ''سب مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔'' (الحجرات) رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق ہیں۔ جب ملاقات ہو تو سلام کرے اور دوسرا سلام کا جواب اچھے طریقہ سے دے۔ جب اُسے چھینک آئے اور وہ الحمد لِلّٰہ کہے تو دوسرا یَرحَمُکَ اللّٰہ کہے۔ جب وہ بیمار ہو تو دوسرا اس کی عیادت کرے۔ انتقال ہو جائے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھے۔ جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے۔ جب وہ کوئی مشورہ کرے تو اس کی خیر خواہی کرے۔'' (بخاری کتاب الجنائز)۔

ان کے علاوہ بھی صحیح احادیث میں دوسرے حقوق کا تذکرہ ہے۔ مثلاً ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ دے، اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ وہ اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے اور اگر ظالم ہے تو اس کو ظلم سے روکے۔ ناراضگی کی وجہ سے اس سے تین دن سے زیادہ بات چیت بند نہ کرے۔ اس کی غیبت نہ کرے۔ بدگوئی اور بدگمانی نہ کرے۔ مذاق نہ اُڑائے۔ حسد نہ کرے اور دھوکہ نہ دے (بخاری و مسلم)۔

قوم کے ضرورت مندوں کا حق زکوٰۃ و صدقات کی شکل میں مالداروں پر فرض قرار دیا گیا۔ اگر انادان جہالت کے انداز میں بات کرے تو قرآن کریم کا حکم ہے۔ ''جب ان کو جاہل مخاطب کرتا ہے تو کہتے ہیں، سلامتی کی بات'' (الفرقان۔۶۳)

Marfat.com

غیر مسلموں کے حقوق مسلموں پر

مسلم ہو یا غیر مسلم سب انسان ہیں اور آدمؑ کی اولاد ہیں، ان کو باہم انسانی رشتہ کی پاس داری کرنی چاہیے۔ اس طریقہ سے معاشرہ میں میل جول انسانی ہمدردی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ پرسکون معاشرہ ترقی کا ضامن ہے۔ ذہنی سکون بلند پایہ فکر کی پیداوار کا باعث ہوتا ہے۔

مسلمان کو چاہیے کہ غیر مسلموں کے ساتھ عمدہ سلوک کریں۔ حدیثِ رسولؐ ہے ''مخلوق اللہ کا خاندان ہے تو اللہ کو وہی شخص پسند ہے جو اس کے خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ مشکوہ۔

اگر عدل وانصاف کرنے کا موقع پیش آئے تو صحیح فیصلہ کرنا چاہیے، چاہے کسی اپنے ہی کی مخالفت میں فیصلہ ہو۔

قرآن کریم کا حکم ہے ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے راستے پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، انصاف کرو، تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدہ۔۸)۔

اُن کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اُس پر رحم نہیں کریگا۔ (بخاری کتاب التوحید) اُن کی مدد کرتے رہنا چاہیے۔ اگر وہ بھوکے ہوں تو کھانا کھلانا چاہیے، ننگے ہوں تو کپڑا پہنانا چاہیے۔ بیمار ہوں تو علاج ومعالجہ اور تیمارداری سے بھی دریغ نہ کریں۔ پریشان حال ہوں تو راحت کا سامان مہیّا کرنے کی کوشش کی جائے۔ حدیثِ شریف ہے کہ اللہ قیامت کے دن بھوکے، ننگے، محتاج اور بیمار انسانوں کی طرف سے دوسرے بندے سے سوال کرے گا، میں بھوکا پیاسا اور بیمار تھا مگر تو نے خبر گیری نہیں کی۔ بندہ کہے گا تو مختار ہے، تجھے کسی شے کی ضرورت نہیں تو اللہ فرمائے گا کہ ''میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تو اُسے کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس

Marfat.com

پاتا، فلاں بندہ پیاسا تھا، اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اُس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" (مسلم کتاب البر والصلہ)۔

جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے باشندے ہیں یا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کیے ہوئے ہیں، اُن کے متعلق رسولؐ کی تعلیمات اور اُن کی حفاظت کے لیے انتہائی تاکیدات اسلامی قانون کا جز ہیں، حضورِ اکرمؐ کا ارشاد ہے "جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اُس کی طرف سے میں دعویدار بنوں گا اور جس مقدمہ میں میں دعویدار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔" (صحیح بخاری)۔

ایک حدیث شریف میں آپؐ نے فرمایا "خبردار جو کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کرے، یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو قیامت کے روز میں (رسولؐ) اس کا وکیل ہوں گا" (صحیحین)۔

اسلام نے انصاف کو ایمان کی طرح عالم گیر اور آفاقی قدر بنا دیا ہے جس سے دشمن کو بھی محروم نہ رکھا بلکہ اُسی حق شناسی اور بہترین سلوک سے ایمان و اسلام کو لوگوں کے لیے جان و جگر بنا دیا۔ اسلام نے اور اپنے عمل سے پیغمبرِ اسلام محمد (ﷺ) نے انسانوں کو اُن کے حقوق سے آگاہ کر کے اور عملی جامہ دیکر مالا مال کر دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تعلیما پر عمل کیا جائے۔ تحریر اور تقریر، علم، ادب، تہذیب و تمدّن کو پھیلانے اور فروغ دینے کے بہترین اور اثر دار طریقے ہیں لیکن اس سے زیادہ قوی ذریعہ تعلیم عمل ہے۔

بدلے کی تمنّا نہ اِن کو صلہ ہے
لیکن فلاحِ انسان خونِ جگر میں ہے ۔

........•:():•........

"مسلم پرسنل لاء، طلاق و نفقہ"

قرآن کریم یعنی احکام ربُّ العلمین اور اُنکی تشریح اور وضاحت، احادیث بنوی ہی اسلامی شریعت ہے۔ بلاشبہ یہ قوانین انسان کی ہر اعتبار سے فلاح کے لیے ہیں۔ اُس کی عین فطرت کے مطابق ہیں۔ معتدل، حکیمانہ، متوازن، مکمل جامع کافی اور شافی ہیں۔ نہ اُن میں غلو ہے نہ حد سے گزرنے کی اجازت ہے۔ خالق سے زیادہ مخلوق کی فطرت کو کون جان سکتا ہے۔

اجماع واقیاس کی اُس وقت گنجائش ہے جب کسی نئے مسئلے کے بارے میں قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ سے اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں صریح حکم نہ ہو اور یہ حل بھی قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں ہی کیے جاتے ہیں

آج کل شوہر اور بیوی کے رشتے کی ٹوٹنے کی کثرت ہے۔ اخبار اور رسائل کی اطلاع کے حساب سے یورپ اور امریکہ میں ۶۰ (ساٹھ) فی صد سے زیادہ طلاق شدہ لوگ ہیں۔ اب مسلمان بھی اُن کی پیروی میں لگے ہیں جسکی وجہ دین سے دوری ہے اور نفس کی غلامی۔

طلاق سے انتشار برپا ہوتا ہے۔ رشتے ٹوٹتے ہیں۔ معاشرہ پر، نئی نسل پر برا اثر پڑتا ہے۔ گھر اور کنبہ بکھر جاتا ہے۔ پاکیزہ بندھن ٹوٹتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں طلاق کو ناپسند کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شائستہ مسلم خاندانوں میں شاز و نادر ہی کوئی طلاق کا واقعہ ہوتا ہے ورنہ ایک بھی نہیں۔

نبی آخر الزّماں محمدؐ نے فرمایا "حلال امور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق نہایت

Marfat.com

مغضوب ہے'' یعنی عتاب اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

کیونکہ بغیر سوچے سمجھے خود غرضی، لالچ، طمع اور ظلم کی بنیاد پر دی گئی طلاقوں کی وجہ سے قوم کمزور ہو جاتی ہے۔ خوفِ خدا کے بجائے اور فرمانِ الٰہی کی پیروی نہ کر کے وہ خواہشات کی غلامی اختیار کر لیتے ہیں۔

کثرتِ طلاق ہی کی وجہ ہے کہ آج قوم میں فقیروں، مانگنے والوں، نفسیاتی مریضوں اور بھی دوسرے امراض میں مبتلا، لاغر اور کمزور شہریوں کی کافی تعداد نظر آتی ہے۔ غم و غصہ، فکر اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے، عقل و سمجھ، صلاحیتوں اور قوت کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں۔ شوہر بیوی میں اگر حالات کشیدہ ہونے لگیں تو اللہ کا حکم یہ ہے ''رنجش کے حالات پیدا ہونے پر میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک مُنصِف مرد کے خاندان میں سے اور ایک مُنصِف عورت کے خاندان میں سے مقرر کر و وہ اگر اصلاح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ اُن میں موافقت پیدا کر دے گا'' (سورۃ النساء آیۃ۔۳۵)۔

لیکن آج مسلم معاشرہ میں اس حکم کی تعمیل ہوتی ہوئی نظر ہی نہیں آتی۔ اسی لیے آپسی جھگڑے بڑھتے جاتے ہیں اور اندر ہی اندر طول پکڑ لیتے ہیں۔

کچھ حالات میں شوہر اور بیوی کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے کہ الگ ہو جائیں۔ نکاح کے رشتہ سے آزاد ہو کر اپنے طور پر اپنی زندگی کی پھر سے شروعات کریں۔ اسی لیے نباہ کی صورت نہ رہنے پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی طلاق کا طریقہ بھی نہایت صاف الفاظ میں بتا دیا ہے۔

ترجمہ: جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدّت و پاکی کے دور میں دو اور شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا رب ہے، ڈرو۔ اُن کو اُن کے گھروں سے مت نکالو، نہ وہ خود نکلیں (سوائے

Marfat.com

اس کے کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حد سے تجاوز کریگا وہ خود اپنے پر ظلم کریگا۔ ''تجھے کیا معلوم اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔ پھر وہ جب اپنی معیاد کے قریب پہنچ جائیں تب یا تو اُن کو بھلے طریقے سے زوجیت میں رہنے دو یا عمدہ طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو مُنصِف مردوں کو گواہ کرلو'' (سورۃ طلاق آیات ۲۔۱)۔ اِسی کا نام طلاقِ رجعی ہے۔

ایک بار جناب عبداللہ بن عُمرؓ نے اس دور میں اپنی بیوی کو طلاق دی کہ وہ پاکی میں نہ تھیں۔ حضورؐ نے معلوم ہونے پر فوراً رجعت کا حکم دیا (بخاری مسلم)۔

دورِ جاہلیت میں کثرتِ طلاق کا عام رواج تھا۔ آپؐ کے سامنے کسی نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دیں تو حضورؐ نے اس امر کو دین کا مزاق اُڑانا بتایا۔ (بخاری مسلم)۔

عربی زبان میں مزاق کے معنی ہیں پرخچے اُڑانا، ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ یعنی یہ امر آپ کو سخت ناگوار گزرا کہ یہ دورِ جاہلیت کی پیروی تھی۔

سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹ میں ہے کہ ''طلاق دو بار ہے، تو اس کے بعد یا تو طریق شائستہ سے نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا اور یہ جائز نہیں ہے کہ جو اُن کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو۔ اگر عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ (یعنی خلاع لینے کے لیے)۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہونگے۔'' (البقرہ ۲۲۹)۔

آج جس طرح عام طور سے مسلمان شوہر بیویوں کو طلاق دے رہے ہیں اس طریقے میں نہ اللہ کے فرمان کی تعمیل ہے یعنی نہ قرآن کریم کی تعمیل ہے اور نہ احادیثِ رسولؐ

Marfat.com

کی اطاعت ہے بلکہ اُنکے طریق، اندازِ فکر وعمل اُن سے جدا ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عبّاس فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ اور جناب عمرؓ کی خلافت کے دو سال تک اگر کوئی بیک وقت تین طلاقیں دیتا تو وہ ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے جس میں اُن کے لیے مہلت تھی، اگر ہم اُن پر جاری کر دیں تو اچھا ہو۔ پھر اُنہوں نے نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم)۔

حضرت عمرؓ ایسے شخص کو جو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیتا تھا اس کے کوڑے لگواتے تھے۔ مہر ادا کرنے کے ساتھ حسب مقدور کچھ متاع بھی اُس کو دینا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا نفاذ سزا کے طور پر کیا تھا۔

جامع ترمذی اور مسندِ احمد میں حدیث ہے اور اس کے راوی عبداللہ بن عبّاسؓ ہیں کہ رکانہ ابن عبد یزیدؓ جو بنی مُطّلب سے تھے، اُنہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر اُنہیں اس پر بہت افسوس ہوا۔ کہا تو رسول اللہؐ نے معلوم کیا کہ کیسے طلاق دی۔ اُنہوں نے کہا میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''ایک ہی مجلس میں؟'' تو اُنہوں نے کہا ''ہاں''۔ آپؐ نے فرمایا ''یہ ایک طلاق ہے اگر تم چاہو تو رجوع کر لو'' تب اُنہوں نے رجوع کر لیا۔

آج مومنین کے لیے احادیثِ نبویؐ کی پیروی سے اور اللہ کی اطاعت سے سوا دوسرا طریقہ کیوں ہے۔ موجودہ دور میں مسلم مردوں کی اکثریت میں طلاق دینے کے بعد مال و زر چھین کر گھر سے روانہ کر دیتے ہیں جب کہ خالقِ کائنات کا حکم ہے۔

ترجمہ: ''اُن کے ساتھ (بیویوں) اچھی طریقے سے رہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے اور اگر ایک بیوی کی

Marfat.com

بجائے دوسری بیوی کرو اور پہلی کو بہت سا سامان دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر صریح ظلم سے مال اُس سے لوگے۔'' (سورۃ النساء ۲۰۔۱۹)۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور واضح حکم مطلقہ خواتین کے لیے ہے۔

ترجمہ: ''اور اگر تم عورتوں کو اُنکے پاس جانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو کچھ گناہ نہیں۔ ہاں اُن کو مال و اسباب دو۔ صاحبِ وسعت (مالدار) اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق (البقرہ ۲۳۶)۔

لیکن دورِ جدید میں مطلقہ کو متاع یعنی مال و اسباب دیتے ہوئے دیکھا ہی نہیں جاتا۔ اللہ کے اس حکم سے مسلمانوں نے اپنے کو بالکل الگ ہی کر رکھا ہے، شاذ و نادر کے علاوہ۔ یہ متاع مہر سے الگ دین ہے۔ مہر ادا کرنا مرد کے اوپر فرض ہے۔ النساء آیت ۴ میں ہے مہر خوشی سے ادا کرو۔ مہر ادا کرنے کا تعلق طلاق سے نہیں ہے۔ آگے سورۃ النساء آیت ۲۴ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے ''اور اُن کو اُن کے مہر ادا کر دو یہ فرض ہے۔ تو متاع مہر سے الگ ہے، جو شوہر کو مطلقہ کو دینا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق سورۃ البقرہ آیت ۲۴۱ میں دوبارہ حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؀

ترجمہ: ''اور مطلقہ عورتوں کے لیے مناسب طریقے سے (متاع) سامان اور یہ اللہ سے ڈرنے والوں پر حق ہے یعنی ضروری ہے۔'' لفظِ متاع کے معنی عربی لغت میں مال، اسباب، سامان اور فائدہ کے ہیں۔ قرآن کریم میں لفظِ متاع اِنہیں معنوں میں ۳۴ بار آیا ہے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ طلاق شدہ عورت کو دیے جانے والے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اس متاع سے فائدہ یا اسباب کی کوئی تعداد یا مدّت مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ جیسا اوپر آچکا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۶ میں ہے کہ اس کی مقدار طلاق دینے والے شوہر کی مالی

Marfat.com

حیثیت کے حساب سے ہے۔ وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدْرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهٗ مَتَاعاً بِالْمَعْرُوْفِ۔

لیکن آج مسلم مرد بیوی کو طلاق دینے کے بعد اللہ کے اس حکم کی تعمیل کو بالکل غیر ضروری سمجھتے ہیں علاوہ چند کے۔ حالت تو یہ ہے کہ طلاق دے کر بیوی کے پاس جو مال اسباب ہے اُس کو بھی لینے کی فکر میں رہتے ہیں۔

اللہ کے حکم کے مطابق عدّت کے دوران تو پورا خرچ سابق شوہر کے ذمہ ہے ہی۔ عدّت تین مہینے کی ہو یا ولادت کے حساب سے ہو، اُسی کے ساتھ اگر مائیں اپنے بچے کی رضاعت کر رہی ہیں تو اس پورے وقت تک بچے کا باپ مطلقہ کا خرچ پورا برداشت کریگا بلکہ قرآن کریم کا حکم یہاں تک ہے کہ اگر مطلقہ اور بیوہ جو بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس کے خرچ کی ذمہ داری بچے کے وارث پر ہے۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَالِکَ البقرہ۔۲۳۳۔ اگر بچے کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو تب، اور بچوں کے خرچ کی ذمہ داری اُن کے والد ہی پر ہے چاہے وہ ماں کے پاس ہوں یا باپ کے پاس، اور اِسی طرح بچوں کے خرچ کی ذمہ داری اُنکے وارث پر ہے۔ اگر باپ کا انتقال ہو گیا ہے تب (یا مجنون ہے یا کوئی دوسری لاچاری کا شکار ہو گیا ہو)۔

........•:0:•........

Marfat.com

''حج''۔''بین الاقوامی کانفرنس''

اسلام نے پاکیزہ مقاصد ومشاہدات اور غور وفکر کے لیے سیر وسیاحت کی ترغیب دی ہے۔قُل سِیرُوا فِی الاَرضِ فَانظُرُوا کَیفَ بَدَأَالخَلقَ ٥(العنکبوت۔۲۰)

ترجمہ:''کہہ دو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے خلقت کو پہلی بار کس طرح شروع کیا (پیدا کیا)۔''

فرمایا:قُلِ انظُرُوا مَاذا فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ ط(سورۃ یونس۔۱۰۱)۔

ترجمہ:فرمایا کہ دیکھو تو آسمان اور زمین میں کیا کچھ ہے۔

مشاہدۂ قدرت معرفتِ الٰہی کا راستہ ہے۔

حجۃ ،دلیل ، غالب آنا، قصد، آمد و رفت، زیارت، الحاج، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنے والا (المنجد)،حج میں تمام حاجی سفر کرتے ہیں:بحری سفر، برّی سفر اور ہوائی سفر۔قدرتی مناظر کا حُسن ،طرح طرح کی دوسری مخلوق اور مختلف زبان، رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے انسانوں سے ملاقات ہوتی ہے۔

دولت، زمین، زبان، ذات پات ہر طرح کے صنم ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور عالم گیری برادری کا زندہ نمونہ سامنے آتا ہے:اِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخوَۃٌ (الحجرات۔۱۰) (مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، محبت اور حق شناسی کی مثال، والصاحب بالجنب کا حق ادا کرتے ہوئے ایک عظیم مجمع پر سکون انداز سے ایک دوسرے کو خلوص کا تحفہ پیش کرتا ہوا حج کے ارکان کی تکمیل کرتا ہے۔

Marfat.com

حج کا حسین نظارہ انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھاتا ہے اور مساوات کی روح کو ماحول میں رواں دواں کر دیتا ہے۔

حج کی تاریخ حضرت اِبراہیمؑ کی تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔اس تاریخ کا ہر صفحہ اللہ کی فرمانبرداری، محبت واطاعت اور تسلیم ورضا کے روح پرور جذبات وعمل سے پُر ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o (البقرہ۔۱۲۷)

ترجمہ: ”اور جب اِبراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعاء کرتے تھے) اے ہمارے پروردگار، ہم سے یہ خدمت قبول فرما، بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے۔“

سرداری کے لائق وہ لوگ ہیں جو حکمِ اِلٰہی کے تابع دار ہیں اور قوم کے لیے قربانیوں کا جذبہ رکھتے ہیں، اہلِ بصیرت ہیں اور حکمت عملی سے کام لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ o (الصّٰفّٰت۔۱۰۲)۔

ترجمہ: [”جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ ”بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تم سوچو، تمہارا کیا خیال ہے“ اُنہوں نے کہا کہ ”ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے، وہی کیجئے۔اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔“]

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا ”مکہ المکرّمہ کی سرزمین مرکز قرار پائے، وہاں عبادت کے لیے پہلا گھر تعمیر ہوا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ o

Marfat.com

(سورۃ آلِ عمران۔۹۶)۔

ترجمہ: ''پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکّہ المکرّمہ میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجبِ ہدایت ہے۔''

آج بڑی ترقی اور روشن خیالی کا اطراف و جوانب میں چرچا ہے۔ پھر بھی انسانی جان کی قربانیاں برابر ہو رہی ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر انسانوں کا قتلِ عام ذاتی اغراض، پست خیالی اور گرے ہوئے مقاصد کے لیے ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی تاریخ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی قربانی احترامِ آدمیت سے منافی ہے یعنی حرام ہے۔ اِسی لیے اللہ ربُّ العزّت نے آزمائش پر ثابت قدم پانے کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلے دنبہ بھیج کر ذبح کرادیا تھا۔

ایک نہایت قابلِ غور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۃ الانعام آیات ۱۴۴۔۱۴۵ میں بھیڑوں، بکروں، اونٹوں اور گایوں کی قربانی کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دور سے آج تک تمام عالم کے مسلمان اُن جانوروں کی قربانی کرتے چلے آرہے ہیں اور ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر کثیر تعداد میں قربانی کے سلسلے میں ذبح کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی نسل میں اتنی برکت دی ہے کہ ہر دور میں فراوانی کے ساتھ پائے جاتے رہے ہیں بلکہ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

جب کہ زمانہ دراز سے کسی نہ کسی جانور کی نسل بہت کم یا ختم ہوتی چلی آرہی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں چیتا، گینڈا ناپید سا ہوتا چلا جارہا ہے، مشہور ہے کہ ڈائنا سور ہوا کرتا تھا جس کا فوسل پایا گیا تھا وہ بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔ موریشس میں ڈوڈو چڑیا ناپید ہو چکی ہے اور اِسی طرح کے دوسرے پرندے اور جانور بھی یا تو بہت ہی کم ہیں یا نسل ہی ختم ہو چکی ہے۔

Marfat.com

حج بین الاقوامی ہسٹوریکل ٹور یعنی تعلیمی اور تاریخی سفر بھی ہے۔ اسلامی تاریخ کی بنیادی عمارتیں و مقامات سب نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اُن کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

حج فوجی تربیت بھی کہی جا سکتی ہے۔ حج کے مراسم فوجی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ کئی دن تک حاجیوں کو کیمپ کی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ حج میں تمام عبادتوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں لیکن جہاد کی زندگی سے خاص مشابہت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''حج بھی ایک جہاد ہے''۔ (بخاری)

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ ہم اِسی طرح اپنے مالک کی بندگی اور اس کی رضا کے لیے سرگرمِ عمل رہیں گے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا راستہ ہمارا راستہ ہے۔

جمرات کے ستونوں پر کنکریاں مارنا شیاطین اور باطل پر غلبہ پانے کی یادگار ہے۔

قربانی قرآن پاک کے الفاظ میں ذبح عظیم ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ قرار دیا گیا تھا۔

''جب وہ (حضرت اسمٰعیلؑ) ان (حضرت ابراہیمؑ) کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ ''بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تم سوچو، تمہارا کیا خیال ہے'' اُنہوں نے کہا کہ ''ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے، وہی کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔''

''جب دونوں نے حکم مان لیا تو باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے (اللہ نے) اُن کو پکارا کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم اچھے کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

Marfat.com

"بلاشبہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور ہم نے اس پر (طریقہ ابراہیمی پر) لوگوں کو باقی رکھا۔" (الصّٰفّٰت۔۱۰۲۔۱۰۹)۔

قربانی کا عمل اس بات کا اقرار ہے کہ ہماری جان اور مال اللہ کی نذر ہے جب وہ اُسے طلب کرے گا، فی سبیل اللہ اُس کی ضرورت ہوگی، ہم اُسے پیش کر دیں گے، ورنہ بجائے خود کے محض جانوروں کو قربان کر دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک اُس کے پیچھے کوئی عظیم اور پاک جذبہ کام نہ کر رہا ہو۔

"اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔" (سورۃ الحج۔۳۷)

قوم کی ترقی، انسانیت کی فلاح، اصلاح اور قیادت میں صنفِ نازک کا نہایت اہم کردار ہوتا ہے، جس قوم کے مرد وزن لہو ولعب میں پڑ جاتے ہیں، نفسانی خواہشات کے غلام ہو جاتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی کو بھلا کر اپنی شخصیت وحمیۃ کو بے وقعت کر دیتے ہیں۔ ایسی قوم کا رعب ودبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ترقی کی راہیں گم ہو جاتی ہیں۔

اللہ کی رضا میں حضرت ہاجرہ کا سرِ تسلیم خم کرنا، اس راہ میں تکالیف برداشت کرنا، توکّل، ہمت واستقلال، صبر وتحمل کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا اور پھر حضرت اسمٰعیلؑ (بچے) کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑنا سعی کرنا اللہ نے قبول فرمایا۔

حضرت ہاجرہ کی سعی اللہ کی راہ میں کوشش وکاوش کی علامت بن گئی۔ حج کا جز قرار پائی۔ اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب ہوگئی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک خاتون کا عمل مرد وزن کے لیے اسوہ بن گیا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

Marfat.com

ترجمہ: ''جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اُس کو پاک حیات سے زندہ رکھیں گے۔'' (النحل۔۹۷)۔

حج ایک جامع عبادت ہے۔ نماز، ذکر وفکر، تسبیح وتحمید، تکبیر وتحلیل، انفاق مال، جدوجہد، طواف، سعی، اللہ کی راہ میں قربانی۔ مجموعہ ہے بہت سی عبادات کا۔

مسلم، عاقل، بالغ، آزاد، صحت مند، زادِ راہ اور مصارفِ سفر برداشت کر سکتا ہو۔ قرض دار نہ ہو، راہ پُر امن ہو، عورت کے ساتھ محرم ہو تو حج فرض ہو جاتا ہے۔

محرم اگر فاسق وفاجر ہے تو اُس کو ساتھ نہ لیجانا بہتر ہے تاکہ وہاں جا کر فساد نہ پھیلائے۔ محرم بھی عاقل، بالغ، مسلم، آزاد اور صالح ہو۔ عورت عِدّت میں نہ ہو۔

حج کے فرائض احرام (پاکیزگی نیت) میدانِ عرفات میں اللہ کا ذکر وعبادت اور طوافِ بیت اللہ، آدمیت ووفاداری، پاکیزگی اور ہمت واستقلال کا سبق پڑھاتے ہیں۔

''حج کے مہینے (معیّن ہیں) معلوم ہیں تو جو شخص اِن مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج میں نہ اخلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ (کا) پرہیزگاری ہے۔'' (البقرہ۔۱۹۷)۔

آج کل ایک بات مسلم قوم میں بہت عام ہو گئی ہے کہ حج کے دوران مکّہ شریف میں قیام کے زمانہ میں روزی کمانے سے متعلق کوئی کام کر ہی نہیں سکتے اس سے بہتر اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں سے مدد حاصل کی جائے۔

اس کی وجہ ہے کہ آج عام طور سے مسلمان قرآن کریم کو غور وفکر کے ساتھ سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ طریقہ یہ بنالیا ہے کہ جو سنتے چلے آرہے ہیں وہی کافی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے حج کے دوران اگر ضرورت پیش آ جائے تو روزی کمانے کی اجازت دی ہے۔

''اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو (تجارت یا کام) اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو جس طرح اُس نے تم کو سکھایا'' (البقرہ۔۱۹۸)۔

یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص حج کا سفر ہی اس لیے کرے کہ تجارت کا اچھا موقع ہے یا مقصد ہی کام یا تجارت کرنا تھا، سوچا حج یا عمرہ بھی کرتے چلیں تو ''اِنَّمَا الْاَعمالُ بالنِیات وَانَّمَا لِکُلِّ امرِئٍ مَانَوی''

ترجمہ: ''بیشک اعمال نیت کے ساتھ ہیں اور بیشک ہر شخص لیے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی۔''

حجِ مبرور وہ حج ہے جس میں خالص نیت حج کی ہو اور تمام ارکان و مناسک کی ادائیگی میں حکمِ الٰہی اور خشیتِ رب کا خیال رہے۔

یہ بین الاقوامی کانفرنس یعنی حج خانقاہ نشین عابدین کو بھی حرکت و عمل پر رواں دواں کر دیتی ہے۔ اسلام مستحسن اور با مقصد تحریک اور جدوجہد کی ترغیب دیتا ہے۔

اسلام میں جمود نہیں روانی ہے۔ دنیا سے علیحدگی نہیں ہے بلکہ اسلام دارالعمل اور دارالجزء دونوں کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلامی زندگی جوش و جذبہ سے بھرپور ہے۔ آخرت کی فکر اور معاملاتِ زندگی میں تدبر و تفکر لازمی ہے کیونکہ یہ فکر کردار ساز ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

”بھارِنو کے لیے“

ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ہم پشتی مسلمان ہیں، ہر دفتر و رجسٹر میں ہمارا نام مسلمان کے خانے میں درج ہے، اور ہم زبان سے بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس لیے جنت کے نیز اُن تمام انعامی وعدوں کے ہم ہی مستحق ہیں جو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیے ہیں۔

مسلمان ہونے کے لیے ایمان کے ساتھ اسلام ضروری ہے، بالکل لازم ہے۔ لفظِ اسلام کے معنی ہیں۔ اپنے آپ کو سپرد کر دینا، سونپ دینا، ہتھیار ڈال دینا۔ اِسی کے ساتھ نہایت اہم ہے احسانِ عمل یعنی سنّتِ رسولؐ کے مطابق عمل کرنا۔

لیکن قرآن کریم کی تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان، یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہو گئے کہ اللہ کی کتاب قرآن کریم اور تعلیمات و ہدایاتِ رسولؐ سے آخرت و قیامت سے غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا کافی سمجھنے لگے۔ قرآن مجید اور سُنّتِ رسولؐ میں بتائے گئے اچھے انجام، فلاح، دنیا و آخرت کا مستحق سمجھ کر اُن کے پورا ہونے کا انتظار کرنے لگے، اور جب یہ پورے ہوتے نظر نہیں آئے تو شک و شبہہ میں پڑنے لگے، بجائے اس کے کہ عقلِ سلیم سے کام لیتے اور اپنا محاسبہ کرتے۔

کیا قرآن کریم میں محض پیدائشی نام نہاد مسلمان سے وعدے کیے ہیں؟ نہیں، بلکہ جب تک کہ وہ اپنے تمام ارادوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع نہ کر دیں اور اُن کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش نہ کریں اور پابند عملِ صالح نہ ہوں تب تک وہ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کی امید نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

بَلٰی قف مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ آیت ۱۱۲)۔

ترجمہ: ''ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دیا اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لیے اس کا ثواب اپنے رب کے پاس ہے اور نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہونگے۔''

اللہ کے رسول محمدؐ نے فرمایا ہے: ''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعاً لِمَاجِئْتُ بِہٖ ○''

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہش میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائے'' (بخاری و مسلم)۔

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب اور آفات کا شکار ہیں اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تمام آفات و مصائب کا سبب کیا ہے۔ کچھ عقل کے دشمن تو یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ان سب کی اصلی وجہ ترکِ اسلام ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ۔۴۲)

ترجمہ: ''اور مت مِلا وَ صحیح میں غلط کو اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔''

یعنی حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈمڈ کر کے اس طرح پیش کرنا جس سے مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے، جائز نہیں۔ اِسی طرح کسی کے رعب میں آکر یا طمع کی وجہ سے ایسا کرنا بھی درست نہیں۔

آج ہم میں سے زیادہ تر نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے، نہ اُس کے عقائد پختہ طور پر ہمارے اندر ہیں نہ اخلاقِ حسنہ اور نہ وہ اعمال جو ایک مسلمان کی بڑی پہچان ہیں

Marfat.com

اوراہم صفات ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج اکثر کا حال یہ ہے:

''وضع میں ہم ہیں نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود''

لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم کچھ بھی سہی، نام تو اسلام ہی کا لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام لیوا تو ہیں اور جو اغیار کھلے طور پر اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں، اسلام کا نام لینا بھی اُن کو پسند نہیں اور اتنا ہی نہیں وہ لوگ ہر طرح سے برائیوں میں جمے ہوئے ہیں اور اپنی نابینہ عقل کی وجہ سے مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو دہشت گردی کے قریب کہتے ہیں وہ تو آج دنیا میں ہر طرح عیش وآرام میں ہیں، بڑی ترقی کررہے ہیں، بڑی بڑی حکومتوں کے مالک بنے ہوئے ہیں، دنیا کی صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں۔

اگر مسلم کو بدعملی کی سزا مل رہی ہے کہ ہر جگہ پامال وپریشان ہیں تو کفار وفجار کو اس سے زیادہ سزا ملنی چاہیے لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو یہ شبہ دور ہوسکتا ہے۔وہ یہ کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا۔دوست کو قدم قدم پر اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے۔اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات سمجھائی جاتی ہے۔بار بار تنبیہ کی جاتی ہے۔ ہر موقع پر کوشش ہوتی ہے کہ راہِ مستقیم پر گامزن کیا جاسکے لیکن غیر اور دشمن کو ایک حد تک ضرور سمجھایا جاتا ہے اور جب وہ برائی میں غرق ہوجاتا ہے تو اُس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاتا بلکہ رسّی ڈھیلی کردی جاتی ہے۔منہ چھٹے جانور کی طرح چھوڑ دیا جاتا ہے اور پھر دفعتاً پکڑ لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کا جداگانہ خاصہ رکھا ہے۔ایک عمل کرنے سے دوسرے عمل کے خواص حاصل نہیں ہوسکتے۔مثلاً تجارت کا خاصہ ہے مال میں زیادتی۔دوا کا خاصہ ہے بدن

Marfat.com

کی صحت، اب اگر کوئی شخص تجارت میں تو دن رات لگا رہے۔ بیماری اور اُس کے علاج کی طرف توجہ نہ دے تو محض تجارت کے سبب وہ بیماری سے نجات نہیں پا سکتا۔ اِسی طرح اور دوسری چیزیں اور کام ہیں۔

فریق ثانی کی دنیاوی ترقی اور مال و دولت کی فراوانی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے آخرت کی فکر چھوڑ دی اور پوری طرح دنیا کے مال و دولت اور عیش و آرام کی فکر میں اپنی عقل، وقت اور قوت سب کچھ لگا دیئے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انسان اور حیوان میں عقل اور علم کی بنیاد میں فرق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ انسان کو آخرت کی فکر کا جذبہ دیا گیا ہے اور جب تک انسان میں انسانیت رہتی ہے اور ضمیر میں زندگی، تب تک اُس کو آخرت کی فکر لگی رہتی ہے۔ اپنا محاسبہ کرتے رہنے کی صلاحیت جاگی رہتی ہے۔ ورنہ وہ بھی جانور کی طرح آخرت کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے اور سماج میں زہریلے کیڑے کی طرح دوڑتا پھرتا ہے بلکہ کبھی کبھی جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

لیکن اِسی کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے تجارت، صنعت، زراعت اور حکومت و سیاست کے لیے انتھک کوشش کی تو دنیا میں ترقی حاصل کر لی، دولت و ثروت کے مالک بن گئے۔ اگر ہم بھی جدوجہد کریں، مفید طریقے اختیار کریں، مضر راستوں کو چھوڑ دیں۔ قول و عمل میں تال میل ہو۔ اخلاق میں نمود کی بجائے اصلیت کا جوہر ہو تو مسلمان کی ترقی کہیں دور نہیں۔ اگر ہم کسی تنظیم سے جڑے ہیں تو اس کا بھی کوئی نصب العین ہونا لازمی ہے۔

بغیر کچھ کیے ہمارا اسلام وہ بھی صرف نام کا، ساری فتوحات کے دروازے کیسے کھول سکتا ہے۔ آپسی محبت اور اتحاد قوم کی ترقی اور عروج کا ضامن ہے لیکن گھر میں پھوٹ ہے۔

Marfat.com

ایک دوسرے سے ذرا ذرا سی بات پر قطع تعلق۔ خدمتِ خلق کی بات اور سگے بھائی بہنوں تک میں دشمنی، رشتہ داروں سے حسد اور بات کرتے ہیں عالمی اتحاد کی۔ کیا حال بنا رکھا ہے ہم مسلمانوں نے۔ غیروں کی طرح قوم، ذات و برادری کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے جب کہ قرآن میں شرافت کی بنیاد اور معیار کی بلندی صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

آج مسلم قوم بیمار ہے۔ بیمار مریض میں بہت سے نقصان دہ جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور کچھ کر گزرنے کی طاقت اور جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں یا ختم ہو جاتے ہیں۔

مہلک بیماری کا اثر تفکر و تدبر کو متاثر کرتا ہے۔ قوم میں کئی جان لیوا بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً احساسِ برتری، غرور، نمود، بزدلی، پست ہمتی، سستی اور احساسِ کمتری، نفس کی خواہشات کو پورا کرنے میں تمام زندگی سوچ و چار اور دوڑ دھوپ۔

اُن بیماریوں سے چھٹکارہ پانے کا راستہ اور صحیح علاج صرف تعلیمات قرآن اور احادیثِ رسولؐ (ﷺ) میں ہے۔ عقیدہ آخرت ہی کو دیکھئے یہ کردار ساز عقیدہ ہے۔ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا خوف بہت سی برائیوں سے بچاتا ہے اور بھلائیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس پر اعتماد وہ زبردست طاقت ہے جو انسان کو بلند ہمت مضبوط اور ثابت قدم رکھتی ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورۃ انفال ۴۶-۴۵)۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو جب کسی جماعت سے آمنا سامنا (جب بھڑ دکسی فوج سے) ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسولؐ کا اور

آپس میں مت جھگڑو، ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا (رعب و دبدبہ) جاتی رہے گی اور برداشت کرو (مقصد پر جمے رہو)۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

آج کا انسان جرائم کا انسداد تو چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے آخرت سے یہاں تک کہ خود اپنی حقیقت سے غافل ہو کر۔ قدم قدم پر ایسے کام کرتا ہے اور زندگی کے آرام کے لیے ایسے سامان جمع کرتا ہے اور وہ راہیں اختیار کرتا ہے جن میں رہ کر اور چل کر عقل اور سمجھ حقیقت میں تخریب کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ وہ بہت کچھ کر رہا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ تو وہی ہونا تھا جو آنکھوں کے سامنے ہے۔ جرائم اپنی جگہ نہ صرف موجود بلکہ روز بروز طوفانی رفتار سے بڑھ رہے ہیں اور مجرم چاق چوبند اور مست۔ حالت یہ ہو رہی ہے کہ:

محنت کش چھپتے پھرتے ہیں ڈکیت یہاں پھرتے آزاد ہیں

عقلاء دنیا میں اگر اس مسئلہ کا حل شریعتِ اسلامی میں دیکھیں اور اُسی کے مطابق عمل درآمد ہوں تو بہت آسانی کے ساتھ جرائم پر قابو پایا جا سکے گا۔ صحیح طور پر قانون کا نفاض اور فرض کی ادائیگی، ملک و ملت کو بہارِ نو عطا کرنے میں نہایت مفید نسخہ ثابت ہوگا۔

........•:0:•........

Marfat.com

"یہ مٹی بڑی زرخیز ہے"

آج سماج میں عجب انتشار برپا ہے۔ اکثر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ حضرات میں اخلاقی اور ملّی فراق رونما ہو چکا ہے اور اس میں برابر اضافہ جاری ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنا، دوسروں کی کھوج بین کرنا اور پھر کچھ ہاتھ نہ لگنے پر تجسس میں لگے رہنا، ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔ اگر کچھ بھی ہاتھ نہیں لگ پایا تو کسی بھلائی ہی کو برائی کا جامعہ پہنانے کی پوری کوشش کرنا اور اپنے قیمتی وقت کو ناکارہ باتوں میں صرف کر کے خوش ہونا بھی رواج کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ عمل داخلِ فسق ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو پورا معاشرہ فساد شکار ہو سکتا ہے۔ اکثر ان برائیوں سے آپسی تنازع اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان اور قوم کی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے شیرازہ بکھرا جا رہا ہے۔ تہذیب و تمدّن، ترقی اور اخلاقی قدروں پر ضرب کاری لگ رہی ہے۔

سورۃ الحجرات میں بعض ان خرابیوں اور بداخلاقیوں کی طرف خاص طور سے نشاندہی کی گئی ہے جو ظاہر میں تو لوگوں کو عام طور سے معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُن کی تاثیر بڑی خطرناک اور جان لیوا ہے۔

قرآن کریم نے انسان کو انسانیت کی وہ تعلیم دی ہے جس کی پیروی سے آدمی آدمیت کے عروج پر پہنچا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

(الحجرات ۱۱۔۱۲)۔

ترجمہ: ”مومنو ! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ اُن سے اچھی ہوں اور اپنے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد (ایسا کرنا) برائی میں نام (کمانا) ہے اور جو (اس سے) توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔“

”اے اہلِ ایمان بہت گمان کرنے سے بچو، بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو، نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

مضحکہ اُڑانا، منہ در منہ طعنہ زنی کرنا، ناگوار الفاظ کا استعمال کرنا اور بدگمانی ایسی بری باتیں ہیں کہ فرد اور سماج دونوں کو ہلاکت میں ڈال سکتی ہیں اس لیے مومن کو اُن سے پرہیز کرنا چاہیے۔

بدگمانی، طعنہ زنی اور غیبت کی وجہ سے پرانی دوستی ختم ہو جاتی ہے، اتنا ہی نہیں کبھی کبھی تو اُن بری عادتوں کی وجہ سے قتل و غارت تک کی نوبت آجاتی ہے۔

Marfat.com

حُسنِ ظن سے میل محبت پیدا ہوتی ہے۔ بھائی چارے کی رسم عام ہوتی ہے اور بدگمانی سے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ محبت وخلوص کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے یا گراہوں سے بدنما ہو جاتی ہے۔ بہت سے عیب چیں اور غیبت گو بات کو گھٹا بڑھا کر ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں اور بدظن کر دیتے ہیں۔ اس طرح دلوں میں کدورت پیدا ہوتی ہے اور باہم صفائی کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ آج مومن نے اس سبق کو بھی بھلا سا رکھا ہے:

وَلَاتَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ ۳۴-۳۵)۔

ترجمہ: "اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے اور یہ بات اُن ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور اُن ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے خوش قسمت ہیں۔

ان گراں قدر اصولوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے قوم بیمار، کمزور، ناتواں ہوتی جارہی ہے۔ ملّت گروہ در گروہ بٹتی جارہی ہے۔ دوسری قومیں حاوی ہو رہی ہیں، رعب اور دبدبہ ختم ہوتا جارہا ہے۔

غیبت کے اتنے برے اثرات ہیں کہ اس سے عبادت میں بھی کراہیت آجاتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ دو آدمیوں نے نماز پڑھی اور وہ دونوں روزہ دار بھی تھے جب اللہ کے رسولؐ نے اپنی نماز پوری کر لی تو آپؐ نے اُن دونوں سے فرمایا کہ تُم اپنی وضو اور نماز دہراؤ اور روزہ پھر سے رکھو۔ اُن دونوں نے عرض کیا کیوں،

Marfat.com

یارسول اللہ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں نے اُس شخص کی غیبت کی ہے۔

کسی کی ٹوہ میں لگنے سے انسان احساسِ کمتری اور کبھی احساسِ برتری میں مبتلاء ہو جاتا ہے یہ دونوں نفسیاتی امراض ہیں اُن سے حسد، بغض اور کبھی خود پسندی اور غرور کے جذبات اُبھرتے ہیں۔ یہ سبھی مہلک امراض ہیں۔ آپسی ہمدردی، بھائی چارے، ذہنی اور ثقافتی نشونماء کے لیے بڑے خطرناک ہیں۔

مستحسن تجسس ممنوع نہیں ہے۔ یعنی وہ کھوج اور جستجو جو ایک انسان دوسرے انسان کے حالات اس مقصد سے جاننا چاہتا ہے کہ اُس کی ضروریات اور مشکلات میں اس کی مدد کرے بلکہ یہ نیکی اور خدمتِ خلق کا کام ہے۔

اِسی طرح اگر معاملہ علمی تنقید تک محدود ہے تو صحت مند تنقید میں کچھ برائی نہیں ہے۔

آج کل ایک اور برائی بڑی تیزی سے عام ہو رہی ہے اور اپنی کم ظرفی کی وجہ سے لوگ اس کو عقلمندی اور سمجھداری کہتے ہیں کہ دو آدمیوں یا گروہوں میں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہے تو صلح نہیں کراتے۔ نہ بلواسطہ یا بلا واسطہ طریقوں سے کوشش کرتے ہیں بلکہ بے پرواہی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، جب کہ صلح کرانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ٥ (الحجرات، آیت۔١٠)

ترجمہ: ''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''

لڑنے یا ناگواریاں پیدا ہونے کے بعد صلح یا اصلاح کی بجائے بے معنی عار اور انا پر جمے رہنے کو شان سمجھنا شروع کر دیا ہے جب کہ ایسا کرنا نہایت ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ گویا

Marfat.com

حمیۃ الجاہلیہ کو فروغ دے رہے ہیں۔ قطع تعلق کر دینا عام سی بات ہوتی جا رہی ہے جب کہ قرآن پاک میں قطع رحمی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ رشتوں کو قائم رکھنے یعنی قرابت کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ؀ط'' (الرعد۔۲۱)

ترجمہ: ''اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔''

قرآن کریم میں مؤمنین کی صفات میں سے مندرجہ بالا صفات بھی بتائی گئی ہیں یعنی رشتہ قرابت کو مجروح کرنا اور توڑنا مومن کی صفت نہیں ہے۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو کی حمایت کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ سے دوزخ کی آگ دور رکھے گا۔ (ترمذی)۔

اپنا محاسبہ کرنے سے ضمیر بیدار ہوتا ہے۔ بالغ فکر، پاکیزہ، خوش مند اور کارآمد حرکات وسکنات انسان کی بڑی قیمتی پونجی ہے۔

مومن اگر باعمل ہوں اور علم وحکمت سے کام لیں تو آج بھی اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا سکہ جما سکتے ہیں۔ اگر ایمان قوی، خیالات بلند اور تمنائیں جلیل، ارادہ مضبوط اور عمل پیہم پر کاربند ہوں تو سربلند اور سرفراز معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

........•:0:•........

”روزہ اورسائنس کی انعام یافتہ جدید تحقیقات“

روزہ فارسی زبان کا لفظ ہے، یعنی پورے دن کی عبادت۔ قرآن کریم میں اس پورے دن کی عبادت کا نام صوم ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے صوم کے لفظی معنیٰ بلندی اور رُک جانے کے ہیں۔ (القاموس المحیط)۔

عرب میں طریقہ تھا کہ فوجیوں اور اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑوں کو تربیت کے دوران ایک دن یا زیادہ وقت کے لیے وقتاً فوقتاً بھوکا اور پیاسہ رکھا جاتا تھا تاکہ ناسازگار حالات میں بغیر کھائے پیئے بھی مستعد رہ سکیں۔ بھوک اور پیاس کے باوجود وفاداری، فرماں برداری اور تہذیب وتادیب کی حد کا پاس ولحاظ رکھا جاسکے۔ مومن مسلم ہونے کا حق ادا کرسکے، یہی روزے کا مقصد ہے۔

بے شمار فائدوں کی وجہ سے روزے رکھنا اُمّتِ محمدی پر فرض کیے گئے اور اس تحفے سے اللہ رب العزّت نے پچھلی اُمتوں کو بھی نوازا تھا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍؕ (البقرہ ۱۸۴-۱۸۳)۔

ترجمہ: [”اے اہلِ ایمان! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم کو تقویٰ نصیب ہو (روزے فرض ہیں) مقررہ دنوں کے لیے“]

روزہ مومن کی عبادت کی معراج ہے۔ عظیم بلندی ہے کیوں کہ بندہ اپنے خالق کی

اطاعت وفرماں برداری میں اوراس کی خوشی کے لیے ان چیزوں تک سے رک جاتا ہے جو خودشریعتِ اسلام میں عام دنوں میں یعنی روزے کے بغیر حلال و جائز ہیں۔ جب انسان معبود کا اتنا فرماں بردار، تابع اور مطیع ہو جاتا ہے تو وہ اپنی عام زندگی میں بھی ان چیزوں سے اوراُن کاموں سے بچا رہے گا جو اللہ کی طرف سے حرام کردی گئی ہیں اور مکروہ ہیں۔

انسان کی فطری صلاحیتوں اور قوتوں کے اُبھرنے اور نشو نما پانے کے لیے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ زندگی کی اہم قدروں اور بیش بہا حقیقتوں کو سمجھ سکے۔ روزہ ایک مقدّس عبادت ہے اور روحانی اور اخلاقی تربیت کا بہترین نصاب ہے۔

روزہ کا اصل مقصد طہارتِ روح اور تقویٰ ہے۔ روزہ رکھنے سے صبر وضبط کی ہمت اور استقلال کی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں۔ نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جب تک انسان خواہشات سے مغلوب رہتا ہے اس وقت تک اس کو نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اوراُس کے احکام کی فضیلت کا پورا احساس ہوتا اور نہ زندگی کا اصل مفہوم سمجھ پاتا ہے۔

اِسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ داعیٔ ربانی، حضرت محمد رسولِ اکرم (ﷺ) نے ابتداء میں مسلمانوں کو ہر مہینے صرف تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر یہ روزے فرض نہیں تھے۔ اس کے بعد ۲ھ میں جنگِ بدر سے پہلے رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا لیکن اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جولوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں پھر بھی روزہ نہ رکھیں تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کردی گئی، لیکن کمزور، مریض، مسافر، حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور اتنے بوڑھے لوگوں کے لیے جن میں روزے کے برداشت کی طاقت نہ ہو، اُن کے لئے اس

Marfat.com

رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا اور اُنہیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب یہ عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے رمضان میں اُن سے چھوٹ گئے۔ یہ دوسرا حکم پہلے حکم کے ایک سال بعد نازل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ۔۱۸۵)۔

ترجمہ: ”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسان کے لیے ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق بتانے والی ہے۔ لہذا جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے تمہیں یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔“

روزے کی حالت انسان کے دل میں دوسرے محتاج اور ضرورت مند انسانوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اس طرح مومن میں نرم دلی، بے غرضی اور وسعتِ نظری کی صفات اُبھرتی ہیں۔ ایثار و قربانی، صبر و تحمل کی صفات وہ اعلیٰ صفات ہیں جن سے انسان اپنے مقاصد کے حصول میں ثابت قدم رہتا ہے، روزہ ان صفات کا مظہر ہے۔

رمضان شریف میں روزہ دار کا اعتکاف کرنا دنیا داری سے کافی حد تک الگ رہ کر صرف رضائے اِلٰہی کی تلاش میں مسجد میں عبادت اور ریاضت میں لگے رہنے سے جو راحتِ قلب، حلاوت اور سکون نصیب ہوتا ہے، بیشک وہ مومن کے اندر اس طاقت کو بیدار کرنے میں نہایت مددگار ہوتا ہے جو عملی طور سے دین کو دنیا پر غالب رکھنا سکھاتا ہے۔

روزہ روحانی اور جسمانی بیماریوں کا علاج ہے اور امراض کی روک تھام بھی۔

۱۔ اخبار ٹائمس آف انڈیا ۱۳/ اگست ۱۹۹۵ء میں چھپے ایک تحقیقی مضمون کے مطابق روزے رکھنے سے کینسر کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔

۲۔ ہندوستان میں سینٹر فور سیلیولر اینڈ مالی کیولر بایولوجی (Centre for Cellular And Molecular Biology) حیدرآباد کے سائنس داں ڈاکٹر پی. ڈی. گپتا کی تحقیقی ٹیم نے یہ ثابت کیا ہے کہ رمضان کے مہینے میں لوگ پھل اور ترکاریاں خالی معدے پر یعنی افطار کے وقت کھاتے ہیں، اس سے کئی لاعلاج بیماریاں اور دوسرے امراض جیسے کینسر، دل کے امراض، موتیابند اور جسم کی اندرونی کمزوریاں اور کمیاں ہونے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حال ہی میں محترمہ ثمینہ سلیم نے جناب احد نور خاں یوسفی کی ماتحتی میں شعبۂ بایو کیمسٹری فیکلٹی آف لائف سائنس، اے. ایم. یو علی گڑھ نے ایک تحقیق کی ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے رکھنے سے جسم میں گردے کی اِن اورگینک فوس فیٹ (Inorganic Phosphate) کو Reabsorb کرنے کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ یہ اِن اورگینک فوس فیٹ اے. ٹی. پی جسم میں قوت (A.T.P.) پیدا کرنے اور بہتر نشو ونماء کے لیے ذمّہ دار ہے۔

Marfat.com

اس کے برخلاف فاقہ کرنا یا ۲۴ گھنٹے بھوکا رہنے کی صورت میں گردوں کے فعل میں بے حد تیزی سے کمی آجاتی ہے جو جسم کے لیے نقصان دہ ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق کو ۱۹۹۶ء میں Washington D.C., USA نے Excellence in Real Research Award سے سرفراز کیا ہے۔

۴۔ انڈسٹریل سائی کالوجی کی تحقیقات کے مطابق آرام کا وقفہ Rest Pause خون کے دوران Blood Circulation کو متوازن (Regulate) کرنے کے لیے اور نظامِ ہضم کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ تراویح کے دوران ۴ رکعت کے بعد کا ترویحہ جس کے معنی ہی Rest Pause کے ہیں۔ تراویح کی نماز ادا کرنے والے کے لیے نہایت فائدہ مند ہے۔

روزہ ناسازگار حالات کا تحمل کے ساتھ سامنا کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن کی پاکیزگی کا ضامن ہے۔ سماج کی امن و آشتی کو فروغ دیتا ہے۔ کیوں کہ روزہ دار کے لیے وہ تمام باتیں جو انفرادی اور اجتماعی طور پر غیر مفید و ناقص ہیں، مکروہ قرار دے دی گئی ہیں۔ اُن کی وجہ سے روزہ میں نقص آجاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ روزہ سماج اور اخلاق کو سدھارنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ جھوٹ، غیبت، چوری، ضرر رساں منصوبوں اور ناشائستہ الفاظ کے استعمال سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ عناصر ہیں جن کی وجہ سے آپسی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور سماج میں انتشار پھیلتا ہے۔

رمضان شریف کو حدیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عظیم مہینہ فرمایا گیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں خطاب فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت والا بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے (رمضان

Marfat.com

المبارک) اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دئے ہیں اور اس کی راتوں میں کھڑا ہونے کو (عبادت کے لیے) نفل فرمایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی نیکی اور نفل کام اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو وہ ایسا ہوگا جیسے اس مہینے کے سوا دوسرے مہینے میں کسی نے ستّر فرض ادا کیے اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے اور یہ غم خواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے اور وہ مہینہ ہے جس میں اہلِ ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس کسی نے اس میں روزہ دار کو افطار کرایا تو اُس کے لیے گناہوں سے مغفرت اور آگ سے آزادی کا سبب ہوگا اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی (بیہقی شعب الایمان)۔

روزہ کا تعلق خالص نیت اور باطن سے ہے۔ یعنی روزہ ایمان اور عمل کے احتساب کا بہترین نمونہ ہے۔ روزہ انسان کو سبق دیتا ہے کہ شکم سیری ہی مقصدِ حیات نہیں ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت اس سے بڑھ کر ہے۔ اگر اس تربیت سے جس کا نام روزہ ہے ذمّہ داری کے ساتھ فیض حاصل کر لیا جائے تو تقویٰ، اخلاص اعلیٰ اخلاق، روشن خیالی اور وسیع النظری جیسی شمعوں سے حیاتِ انسان روشن و تاباں ہو جائے۔ یہ وہ صفات ہیں جن کی کمی اور فقدان کی وجہ سے آج تفریق، انتشار برپا ہے۔ جس ملک اور سماج کے افراد ان خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں وہ سماج قومی یک جہتی اور بھائی چارے کا مظہر ہوتا ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

"نشہ: انسانیت کا خطرناک دشمن"

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِؕ قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا٥ (البقرہ۔۲۱۹)

ترجمہ: "اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگ تم سے خمر اور جوئے کے بارے میں معلوم کرتے ہیں، کہہ دو کہ اُن میں بڑے نقصانات ہیں اور چند فائدے مگر اُن کے نقصانات فائدے سے کہیں زیادہ ہیں۔"

اسلام کے معنی ہیں امن، سلامتی اور فرماں برداری۔ جب عقائدِ باطلہ دور ہو جاتے ہیں اور نفس وہموں اور بھٹکے ہوئے خیالات سے پاک ہوتا ہے تو انسان کا رجحان خود بخود کسی بھی ناپاک چیز کی طرف مائل ہونے سے کترانے لگتا ہے۔

نشہ کے سلسلے میں مزید فرمان نازل ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡ لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی٥ (النساء۔۴۳)

ترجمہ: "اے اہلِ ایمان نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک نشے کی حالت میں ہو"۔

یعنی تم خود اس بات کے گواہ ہو کہ نشے کی حالت میں تمہیں اپنے قول وفعل پر قابو نہیں رہتا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ لفظِ سکاریٰ کہا گیا ہے یعنی نشے کی حالت اور سکرۃ کے معنی ہیں نشہ آور چیز۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شے چاہے کھانے کی ہو یا پینے کی یا نگلنے کی جس سے انسان بدمست ہو جائے یا مدہوشی کی حالت میں ہو جائے وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

اسلام میں شراب تھوڑی بھی حرام ہے۔ عبدالقیس قبیلے نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں بہت ٹھنڈ پڑتی ہے۔ تھوڑی مقدار میں پینے کی اجازت فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: "تھوڑی ہی

بہت ہو جاتی ہے۔"

بہت سی قوموں میں تہواروں، خوشی کے موقعوں، یہاں تک کہ مذہبی رسومات ادا کرتے وقت تک شراب پی جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ بچّوں کو بھی تھوڑی بہت دی جاتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خاص اوقات میں اور مقررہ مقدار میں شراب پینے والا شرابی کہلاتا ہی نہیں۔ شرابی اُن کے یہاں وہ کہلاتا ہے جو اس کی لت میں گھر بار بیچ ڈالے یا سڑکوں پر مارا مارا پھرے، بیوی بچّوں پر سخت ظلم کرنے لگے اور کام کاج کا ہوش نہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ بیماریاں اور سماجی خرابیاں ان اقوام میں زیادہ ہیں۔

اسلامی شریعت کے مطابق نشہ آور اشیاء نجاستِ غلیظہ ہیں۔ اگر ایک درہم کے برابر شراب کسی کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو اُس کو دھونا لازمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ۔۹۰)

ترجمہ: "اے اہلِ ایمان شراب اور جوا اور صنم اور پانسے ناپاک ہیں، شیطانی عمل ہیں، اِن سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیاب و فتح یاب ہونے کے لیے اُن چیزوں سے الگ رہنا لازمی ہے۔ ایسا سماج پاکیزہ اور بے خطر ہو ہی نہیں سکتا جس کے افراد کی اکثریت اُن چیزوں میں مبتلا ہو۔

قرآن کریم میں فرمان ہے:

"قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

Marfat.com

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"O (المائدہ۔۱۰۰)

ترجمہ: "کہہ دو کہ ناپاک چیز پاک چیز کے برابر نہیں ہوسکتی، چاہے تمہیں خبیث چیز کی زیادتی بھلی معلوم ہو۔ اے اہلِ عقل، اللہ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو۔"

حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے، حرام ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خمر کی وضاحت اس طرح فرمائی:

"ہر وہ شے جو عقل کو زائل کر دے، مدہوش کر دے، اس دائرے میں آتی ہے۔"

اس کا مطلب یہی ہوا کہ ہر قسم کی نشہ آور چیز حرام ہے۔

اسلام میں شراب پینا سخت معیوب ہے اور نشہ کرنے والا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ حضورِ اکرم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں شراب پینے والے کو سزا کے طور پر لاتیں مارنا، مکّے مارنا، بل دی ہوئی چادر کے کوڑے مارنا اور ڈنڈیاں مارنے کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ عام طور سے ۴۰ ضربیں لگائی جاتی تھیں جو اس جرم سے سزا کے بعد بھی باز نہیں آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو ۸۰ (اسّی) کوڑے بھی لگائے۔

نفس کو بے لگام نہ چھوڑنے ہی میں انسانیت کی بقا ہے اور دین و دنیا میں سرخروئی ہے۔

"وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"O (التغابن۔۱۶)

ترجمہ: "اور جس نے اپنے نفس کو (بے جا) خواہشات سے بچایا وہ کامیاب ہوا۔"

خود غرضی اور نفسانی خواہشات کے غلام خود بھی بے وقعت اور برباد ہو رہے ہیں اور اپنی ناکارہ زندگی سے دوسروں کے لیے بھی بُری مثال بن رہے ہیں۔ اپنی ذات پر بھی ظلم کر رہے ہیں اور اپنے اہلِ خانہ، گھر اور سماج پر بھی بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ اُن کی بدکرداری

Marfat.com

سے کئی کئی نسلیں متاثر ہو جاتی ہیں جس طرح صدقہ جاریہ کا ثواب بہت ہے اور جاری رہتا ہے۔ کیونکہ اس صدقے سے بھلائی اور نیکی کے اثرات جاری رہتے ہیں۔ اسی طرح ایسے گناہ کا بھی بڑا عذاب ہے اور عذاب ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی زندگی متاثر ہوتی رہے۔

۲ھ میں حُرمتِ شراب کا حکم نازل ہونے کے بعد نبی آخر الزّماں حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ شریف میں خطبہ فرمایا:

''میں آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کردی ہے۔ جن کے پاس شراب ہے وہ نہ اُسے پی سکتے ہیں، نہ بیچ سکتے ہیں۔''

معلوم کرنے پر آپؐ نے فرمایا کہ نہ اسے تحفے میں دے سکتے ہیں بلکہ اِس کو ضائع کردیا جائے۔ اُسی وقت مومنین نے شراب بہا دی۔

مدینہ طیبہ کی نالیوں میں شراب بہا کر ضائع کردی گئی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی عمریں اسلام لانے سے پہلے شراب پینے میں گزر رہی تھیں۔ کوئی ۲۰، ۲۵، ۴۰ یہاں تک کہ ساٹھ ستر برس کی عمر میں ایمان لائے تھے لیکن خوفِ خدا اور اطاعتِ رسولؐ نے اُنہیں وہ قوت بخشی کہ کسی نے یہ نہ کہا کہ ہماری تو عادت پڑ چکی ہے، کیا کریں۔ اِسی لیے تو پروردگارِ عالم نے اُن کے رُتبے بلند کیے اور فرمایا:

''رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ''۝ (البیّنہ۔۸)

ترجمہ: ''اللہ اُن سے خوش ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور یہ اُن کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

کچھ قوموں میں تو نشہ کا استعمال ایک خاص حد تک کسی بُرائی میں شامل نہیں ہے بلکہ

Marfat.com

سوسائٹی میں ایسا آدمی کچھ کمزور یا پچھڑا ہوا سمجھا جاتا ہے جو نشہ یا شراب سے بالکل اجتناب کرتا ہو۔

آج بیسویں صدی کے آخیری دور میں جب نشہ خوری سے بگاڑ حد سے زیادہ گزر گیا تب نشہ کرنے کی ممانعت کے سلسلے میں مختلف ذرائع سے کوشش کی جارہی ہے اور اب بھی یہ حال ہے کہ جہاں سے نشہ بندی کے احکام جاری ہوتے ہیں وہیں لوگ نشہ میں چور رہتے ہیں۔کامیاب ردِّعمل کے لیے صرف قانون بنانا کافی نہیں ہوتا بلکہ خود عمل پیرا ہونا بھی لازم ہے۔تب ہی اچھا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ شراب پینے پر سزا کو رائج اور عام کرے۔شراب کی دکانوں کو بند کرے۔واضح ہو کہ حضرت عمرؓ نے شراب کے اڈّوں کو جلوا دیا تھا۔

یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ نشہ کرنے والے اشخاص عام طور پر جھوٹ، چوری اور بدکرداری جیسے گناہوں میں ملوّث ہوتے ہیں اور یہ جرائم اسلامی شریعت کی رو سے کبیرہ گناہوں میں سے ہیں جن کی سزا اسلام نے ہاتھ کاٹنا اور دُرّے لگانا وغیرہ مقرر کی ہے۔

نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنے والا آدمی سماج کا بدترین زہریلا کیڑا ہے جو اس زہر سے اپنی صحت اور شخصیت کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کے دوسرے افراد کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر نشہ کرنے والے لوگ سدھرنا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اِس سلسلے میں اُن کی مدد کریں، اخلاقی اعتبار سے بھی اور اگر علاج کے سلسلے میں مالی مدد کی ضرورت ہو تو اُن کی مدد کی جائے۔یہ بھی عملِ صالح ہے کہ کسی بگڑے ہوئے انسان کو سدھار لیا جائے۔یہ عمل صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ ربُّ العزّت نے ارشاد فرمایا ہے:

''وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ''۝ (المائدہ۔۲)

ترجمہ: ''نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اگر انسان اِسلام کے قوانین کو اپنا لے اور اُن پر سختی سے کاربند رہے تو سماج سے اس جان لیوا بُرائی کا جلد ہی خاتمہ ہوسکتا ہے۔

........•:0:•........

"اسلامی معاشرہ کا آج اور کل"

اسلام انسانی زندگی کا قدرتی دستورِ حیات ہے۔ مذہب اسلام کے مطابق انسان کے اچھے اور بُرے انجام کو علم و عمل کے نظام پر مرتب کیا گیا ہے۔

دنیا میں ہر تخلیق (Product) کا ایک (لٹریچر) ہدایات نامہ ہوتا ہے جس میں اس شے کے بارے میں اور اس کے مناسب اور صحیح استعمال کے طریقے ہوتے ہیں تا کہ زیادہ فائدہ منداور دیرپا رہ سکے۔ اگر اس ادب یا لٹریچر کے خلاف محض اپنی مرضی سے چلایا یا استعمال کیا تو وہ شے وقت سے پہلے کمزور، بے کار اور ناکارہ ہو جاتی ہے۔ بالکل یہی حال انسان کے ساتھ ہے۔ اگر انسان خالق کے احکام قرآن کریم اور شعورِ نبوت سے ملی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے گا تو صحیح معنی میں انسانیت کا حق ادا کر سکے گا، دیرپا اور بااثر رہے گا۔ ورنہ آج کا حال اور پھر کل کیا نتیجہ نکلے اللہ ہی محافظ و مددگار ہے۔

یہ وہ قانونِ الٰہی ہے جس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، منتشر اور بکھرے ہوئے لوگوں کو وحدت اور اتفاق کے مرکزی نقطہ پر سمیٹ کر متحد کیا۔

انسانی معاشرہ آپسی تعلقات، رشتوں ناطوں معاملات اور تعاون سے بنتا ہے، سماج کو پُرسکون، جی دار اور زندہ اور رواں دواں رکھنے کے لیے آپس میں اچھے اور صحت مند تعلقات رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے لیے ہر آدمی پر کچھ ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اِسی کے ساتھ حقوق وابستہ ہو جاتے ہیں۔ جس وقت تک ان دونوں میں توازن رہتا ہے اُس وقت تک وہ سوسائٹی پُر بہار اور پُر ثمر رہتی ہے جب یہ توازن بگڑ جاتا ہے خزاں اور خرابیاں گھیرنے لگتی

Marfat.com

ہیں کیونکہ ایسا معاشرہ کاہلی اور، خود غرضی، عیش پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سماج کو اور خود کو فائدہ مند بنانے کے لیے مستقل مزاجی، تحمل، عفو و درگزر اور خدمتِ خلق جیسے جذبات کی ضرورت ہے۔ حق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ انسانی حقوق میں سب سے پہلے والدین کے حقوق ہیں۔ اُن کے ساتھ بہترین سلوک کرنا قرآن وسُنّت کے مطابق فرض ہے۔

''اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُن کو جھڑکنا اور اُن سے بات ادب کے ساتھ کرنا'' الاسراء۔۲۳۔

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ سے پوچھا، ''اللہ تعالیٰ کو کون عمل زیادہ پسند ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا''، میں نے پوچھا، ''پھر کون سا عمل؟'' آپؐ نے فرمایا، ''والدین کی فرماں برداری کرنا''، اس کے بعد معلوم کیا، ''پھر کون سا عمل؟'' آپؐ نے فرمایا، ''جہاد فی سبیل اللہ'' (بخاری کتاب الصلوٰۃ)۔

لیکن اگر والدین اللہ کے ساتھ شریک کرنے اور کسی ایسے کام کو کرنے کا حکم دیں جس سے اللہ کی نا فرمانی ہوتی ہو تو اُن کے حکم کو نہیں ماننا چاہیے۔ (ماخوذ از سورۃ لقمان:۱۵)۔

زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق وفرائض کے سلسلے میں فرمایا: ''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر وہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر کچھ فضیلت ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (البقرہ۔۲۲۸)۔

Marfat.com

ایک دوسرے کی امانت داری، خیر خواہی خلوص و ہمدردی، تعاون، نرمی، حُسنِ اخلاق اور خوش مزاجی سے زندگی گزارنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے تاکہ گھر کا ماحول بچوں کے نشوونماء اور اُن کے دل و دماغ کے لیے پُرسکون ہو سکے۔

نفقہ کے علاوہ مسلم مرد پر فرض ہے کہ وہ بیوی اور اولاد کی دینی اور دنیاوی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (التحریم۔۵)۔

اسلامی تعلیمات کے اندر راحت اور قیامِ امن جوش ولولہ، ہمّت اور جرأۃ و طاقت بیدار کرنے کی لازوال قوت ہے۔ وہ طاقت جو فساد، مفسد، دہشت پسند اور دہشت گردوں کو اُکھاڑ پھینکے۔

حدیثِ رسولؐ ہے ''خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسِ'' (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اچھے انسان وہ ہیں جو انسانوں کا فائدہ چاہتے ہے۔ یہ ہے اسلام کا امن و مفاد کا جذبہ۔ انسانیت کی بقاء اِسی اصول پر منحصر ہے۔

معاشرہ کو ایک ڈور میں بندھے رکھنے، ایک احسن نظام اور ضبط کے لیے آپس میں رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا بھی لازم کر دیا گیا ہے۔ اس کو قرآن کریم میں صلہ رحمی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''رشتہ داروں کو اُن کا حق دو اور مسکین و مسافر کو اُن کا حق ادا کرو، یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں (الروم۔۳۸)۔

اللہ ربُّ العزت نے سورۃ النساء آیات ۳۶ اور ۳۷ میں فرمایا ہے۔ والدین قرابت

Marfat.com

داروں اور یتیموں، محتاجوں، رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقاء پہلو (عام طور پر ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو تمہارے قبضے میں ہیں سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، تکبّر کرنے والے اور بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔''

اسلامی نظام معاشرت قطع تعلق کا قائل نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے آپسی دشمنی، تناؤ اور جنگ کی نوبت آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ (اے منافقو) تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو (سورۃ محمد۔۲۲)۔
یعنی معاشرہ کے ادنیٰ درجہ کے افراد کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ قطع تعلق کرنے، رشتوں کو توڑنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔

نبی آخر الزّماں کا ارشاد ہے کہ جو آدمی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت دے اس کے گناہ معاف کرے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' (بخاری کتاب الادب)۔
اتحاد کا ماحول خوش گوار بنائے رکھنے کے لئے پڑوسیوں کو آپس میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ماخوذ سورۃ النساء۔۳۶۔

حدیث رسولؐ ہے کہ ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے''، فرمایا: ''وہ مومن نہیں جس کی شر سے اُس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے۔ (بخاری کتاب الادب) پڑوسی کو ہدیہ دینا بھی ثابت ہے (مسلم البر وصلہ) حکم رب ہے۔ ''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اُڑائیں) ممکن ہے وہ اُن سے اچھی ہوں اور آپس

Marfat.com

میں ایک دوسرے پر الزام مت لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے نام دو" (الحجرات ۔۱۰)۔

تمام مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں ۔یعنی اسلامی تعلیم کے مطابق تمام دنیا، سارا ملک اللہ کا ہے۔ مومن اُس کا بندہ ہے، اُس کی ذمہ داری ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی کرے۔ اگر آج کے مسلمان قرآن و سنّت کے مطابق اپنے حالات اور آپس کے معاملات طے کریں، سلجھائیں تب ہی کل کی نسلوں کے لیے نمونہ بن پائیں گے۔

خوش اخلاقی وہ جذبہ ہے اور وہ عمل ہے جس سے زندہ ضمیر کو قوّت اور مردہ جان میں روح رواں دواں ہو کر اس کو حیات بخشتا ہے۔ سکون کا باعث ہے، پچھتاوا، گھٹن اور بے قراری کو دور کرتا ہے۔ انسان کو برتر و ممتاز بنا دیتا ہے کیونکہ قوموں کے عروج و زوال کا انحصار بھی کافی حد تک اِس جذبہ پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا "میں اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" اور فرمایا "مجھ کو تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ بدگو اور حدِّ ادب سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا۔"

رحمت اللعالمین کی سیرت پاک سے بہت سے واقعات ہیں کہ آپ نے دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک مہر و محبت کا برتاؤ رکھا۔ لوگوں نے اسلام کی بہترین تہذیب و ثقافت، حُسنِ معاشرت اور حُسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا یعنی بھلائی برائی پر غالب آئی۔

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اے ایمان والو! اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو۔ جب ایک

Marfat.com

جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کرے تو اُس نے اُن کے ہاتھ روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے'' (المائدہ۔۱۱،۸)۔

آج اطراف و جوانب میں اسلام دشمنی کی آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ ایمان کی پختگی، یقین محکم، توکل علی اللہ، حُسنِ تدبیر اور استقلال کے ساتھ عمل پیرا رہنے ہی سے یہ آگ سرد پڑ سکتی ہے۔

حیا، اسلامی تہذیب و تمدن کی روح ہے۔ اخلاق کا جوہر اور ایمان کا اہم شعبہ ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شرم و حیا خواتین کی تعلیم و ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یہ محض اسلام کے مخالفین اور پست ہمت منافقین کا خیالِ خام ہے، تعلیم و ترقی حیا کے ساتھ زیادہ آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے، بلکہ یہ بھی بلاشبہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی تعلیم جو شرم و حیا کا زیور اتار دے وہ ناقص ہے۔ آج اگر مومنین اور مومنات نے اس طرف دھیان نہیں دیا تو کل کی حالت کی ذمہ داری اُن کی بھی ہوگی۔

ہماری موجودہ نسلوں میں معاف کرنے اور درگزر کرنے کی صلاحیت اور جذبہ کی برابر کمی ہوتی جارہی ہے۔ ناکارہ قسم کی کسی بھی بات اور معاملہ کو لے کر لمبی بحثیں، پھر آپسی لڑائی کا ماحول، کچھ آگ بھڑکانے والے بیچ میں کود پڑتے ہیں اور مسلم مسلم کا خون، ہر طرح کا خون بڑی آسانی سے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور کر دیتا ہے۔ اپنی اسلامی حمیت کو طاق پر رکھ کر خوں خوار درندہ بن جاتا ہے۔ آپس ہی میں یہ حال رہا تو دوسروں کو کیا دے پائیں گے۔

نبی آخر الزماں کا آخری خطبہ اسلامی ادب و ثقافت کا بہترین نمونہ ہے۔

''تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اُسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے۔ سن لو جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی۔ جاہلیت

کے خون بھی ختم کر دیئے گئے۔ آپؐ نے اس خطبے میں اور بھی ہدایات فرمائیں، عورتوں، غلاموں، سود، عبادات وغیرہ کے سلسلے میں تلقین فرمائی۔ فرمایا تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوں گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

اسلام میں ذہن و خیالات یعنی دل و دماغ کو بھی جسم کے ساتھ ساتھ پراگندگی Pollution سے دور رکھنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔

ہم سب کو زبان، رنگ، نسل و خاندان، خطہ، مسلک وغیرہ کی گروہ بندی سے باہر آنا ہوگا، دور اندیشی اور تدبر سے کام لینا نہایت ضروری ہے تا کہ آئندہ دور پُر وقار ہو سکے۔

وفد عبدالقیس کے سربراہ الاشج العصری کے بارے میں حضرت محمدؐ نے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ دور اندیشی اور دوسری بردباری (مرقاۃ المفاتیح۔ ۱/۱۷)

جس طرح انسان کو ذہنی اور کبھی جسمانی بیماری یا بیماریاں ہو جاتی ہیں اُسی طرح قوم بھی مبتلاء مرض ہو جاتی ہے۔ آج امتِ مسلمہ کو مال و جاہ اور لہو ولعب کے امراض نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے دل و دماغ صحیح سمت میں کام کرنے سے عاری ہیں۔ اور خرابی کی بات یہ ہے کہ اس کا علاج بھی دماغی اور نفسیاتی امراض میں مبتلا قوموں، اُن کے ادب اور رسم روایات میں تلاش کر رہے ہیں۔ آج اس مہلک مرض کا علاج نہایت ضروری ہو گیا ہے، کیونکہ مرض بہت بڑھ گیا ہے لیکن یاد رہے صرف قرآن و حدیث ہی میں اِس مرض کا علاج اور شفا ہے اور کل کی صحت۔ اگر اب بھی سنبھل گئے تو ۲۱ ویں صدی اسلام کی صدی ہوگی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

مسلمان تمام عالم کے لیے روح رواں ہیں اور جد و جہد مومن کی زندگی کے عملی میدان کی اہم مشق ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مستقبل اپنے ماضی کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسلام امن پسند ہے اور قیامِ امن اس کا اہم مقصد ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدّن یعنی قانونِ الٰہی کا بھی ایک اہم جزو ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کو حق دلایا جائے اور جب ظلم بڑے پیمانے پر ہونے لگے اور زمین پر فساد عام ہو جائے۔ اس وقت تو خاص طور سے اس کا دفاع لازم ہو جاتا ہے۔

حادثوں سے ہار جانا فطرتِ آدم نہیں
حادثے تو کھیلتے ہیں عظمتِ آدم کے ساتھ

........•:0:•........

Marfat.com

''یقین محکم عمل پیہم''

نبی آخرالزّماں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ پاک اور سیرتِ طیّبہ کے نقوش انسانیت کو بیدار کرتے ہیں۔ ذِکرِ رسولؐ اور تحریر وتقریر انسانوں اور خاص کر مومنوں کے علم وعمل میں بکھار لانے کی کوشش ہے۔ ''فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ'' (الاعراف ۱۷۶)

ترجمہ: ''واقعات بیان کرو تا کہ وہ فکر کریں (غور کریں، سوچیں، سمجھیں)۔

ذِکرِ اِلٰہی اور ذِکر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانوں کے فائدہ کے لئے اور دنیا میں امن و سکون قائم کرنے کے لئے ہے۔ نبی کریمؐ کا ذکر وشہرت تو ربُّ العٰلمین پہلے ہی بلند فرما چکا۔

''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' (الانشرح)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارا (محمدؐ کا) ذِکر (شہرت) بلند کر دیا۔''

جس کا ذکر وشہرت اللہ ربُّ العزت بلند وبالا کر چکا اس سے افضل دنیا میں کون ہو سکتا ہے۔ اُس کی شہرت بڑھانے کے لئے کسی خاص محفل سجانے کی ضرورت نہیں ہے۔

احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تذکرہ کا مقصد ہے قوم وملت کی سوچ وفکر کو جلا بخشنا، صحیح، سیدھا اور پُر امن راستہ یاد دلانا۔ جو خوش نصیب پہلے ہی سے راہِ مستقیم پر گامزن ہے، اُن کے لیے آپؐ کے ذِکر میں راحتِ قلب ہے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ'' (الزّٰریٰت ۔۵۵)

ترجمہ: اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ''کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تا کہ تم فلاح پاؤ''. یہ کامیابی یہ فلاح

زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے افعال و اقوال کو بقاء عطا فرمائی ہے تاکہ فیض کا سلسلہ جاری رہے۔ آپؐ کی پوری سیرت قرآن کریم میں موجود ہے۔

آپؐ کی سیرت، اصلوب عمل پر غور کرنا سمجھنا اور اتباع کرنا نہایت ضروری ہے۔ عمل پیہم ہی بقاء کا سب سے اچھا اور موٴثر ذریعہ ہے۔ تقریر و تحریر میں وہ طاقت نہیں ہے جو مضبوطی، قوّت اور اثر عمل میں ہے۔ عمل کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔ موجودہ نسل اور آنے والی نسل تک پیغامِ حق پہنچانے کا اس سے بہتر ذریعہ دوسرا نہیں ہے۔

آپؐ نے صرف مخصوص عبادتوں پر ہی اکتفاء نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت کا مقصد صرف خانقاہ نشین، عابدین تیار کرنا نہیں ہے، بلکہ دنیاوی معاملات و مصروفیات سے گزرتے ہوئے آخرت کے لیے تیاری کرنا اور رضاءِ الٰہی کو حاصل کرنا ہے۔

نبی رحمت حق اللہ، حقِ نفس اور حقوق النساء بلکہ تمام مخلوق کا حق ادا کرنے میں مستقل کوشاں رہتے تھے، دعوتِ حق تبلیغِ احکام، صلح و جنگ، اصلاح اور فلاحِ قوم سب امور انجام دیتے تھے۔ آپؐ کے حُسنِ عمل سے اندھیرے چھٹ گئے اور نور پھیل گیا۔

آپؐ کی تعلیمات اور جدوجہد کا محور، اُن کی اساس و بنیاد اصلاح و معاشرہ ہے۔ یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ معاشرہ کی اصلاح وہی قائد کرسکتا ہے جو خود سیرت و کردار میں نکھرا ہوا ہو جس کے قول و عمل میں تال میل ہو اور بلا امتیاز اور بغیر تفریق کے خیر خواہ ہو۔

فساد اور بگاڑ کو روکنے کے کا سب سے بڑا ذریعہ ایمانِ کامل ہے۔ صحیح و سچی بات اور اللہ پر بھروسہ ہے یہ کہ دنیا میں گزاری زندگی کا حساب دینا ہے یعنی آخرت کی زندگی پر یقین، ہر بات اور ہر ایک کام میں یہ فکر ہونا کہ میں اس کا جواب دہ ہوں، بہت سی برائیوں سے

Marfat.com

انسان کو روکے رکھتا ہے۔ مالکِ کائنات کی گرفت کا خطرہ سیکڑوں کی گرفت سے بچاتا ہے۔

اگر یہاں نہیں ملا یا کم ملا تب بھی مومن پُر امید رہتا ہے۔ آخرت میں بہتر ملنے کی امید پر بگاڑ (کرپشن) سے بچا رہتا ہے۔

دین دار وہ ہے جو علم کے ساتھ باعمل ہے۔ مسلم کو ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے۔ یہ یقین ظاہر و باطن کے عیوب سے پاک وصاف رکھتا ہے کیونکہ اس کو اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی کے معاملات طے کرنے ہیں۔

ترجمہ: کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ والدین کے ساتھ سلوک کرتے رہنا اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اُن کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جاندار کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ (اللہ تعالیٰ) تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو (سمجھو) اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریقہ سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ ہم کسی کی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے، صرف اُس کی طاقت کے مطابق اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ اُن کا اللہ تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (انعام ۱۵۲-۱۵۳)۔

قرآن کریم تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) ایک کتاب ہے ہم (اللہ تعالیٰ) نے تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ (ابراہیمؑ-۱)

قرآن پاک سے نصرتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اللہ تعالیٰ

Marfat.com

سے ڈرتے ہیں اور متوجہ ہوتے ہیں۔اُس کے احکام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تفکّر و تدبر کرتے ہیں اور فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہی کامیاب ہونگے۔(ماخوذ البقرہ:۵۔۱)۔

۲ھ جنگِ بدر مشرکینِ قریش سے جنگ تھی۔یہ جنگ نہ زر کے لیے تھی، نہ زمین کے لیے اور نہ ہی دورِ جاہلیت کی طرح زن کے لیے تھی۔یہ غزوہ تھا صرف کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے۔اس کا مقصد تھا سماج سے بگاڑ، فساد اور بدامنی دور کرنا۔یہ لڑائی اُن سے نہیں تھی جو سکون سے بیٹھے تھے اور معاشرہ کا چین درہم برہم نہیں کرر ہے تھے، چاہے وہ کسی بھی ملّت سے تعلق رکھتے تھے۔

جنگ اُن سے تھی جو مستقل امن کو نقصان پہنچا رہے تھے۔جو خرابیوں کو پروان چڑھا رہے تھے اور بھلائیوں کو مٹانے میں کوشاں تھے اُن سے بھی جنہوں نے جنگ میں پہل کی تھی۔خود چڑھائی کی تھی۔

کفار کے لشکر میں ماہرِ فن، تجربہ کار فوج مسلّح تعداد ایک ہزار، نہایت تجربہ کار، ساز و سامان سے آراستہ، کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔اِدھر مسلمانوں کے لشکر میں تین سو تیرہ جاں نثار تھے۔اُن مجاہدوں میں بھی کچھ ضعیف اور کم عمر۔ہتھیاروں، غذا اور سواریوں کی کمی لیکن ایمان مضبوط، ہمّت بلند توکل علی اللہ، صرف اللہ کا خوف، کتاب اللہ پر عمل پیرا، اطاعتِ رسول (ﷺ) کا جذبہ دلوں میں موجزن تھا۔ذاتی مفاد کا خیال وگمان بھی نہیں۔صرف حق کے طالب اور نصرتِ الٰہی پر نظر تھی۔نتیجہ اللہ ربُّ العزت کی رحمت و مدد حاصل ہوئی۔شاندار فتح سے سرفراز ہوئے۔

ترجمہ: اور اللہ نے (جنگ) بدر میں تمہاری مدد کی تھی اور (اس وقت) تم بے سروسامان تھے۔ بس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ شکر گزار ہو۔'' (آلِ عمران۔۱۲۳)۔

Marfat.com

۸ھ فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنو ہوازن سے جنگ درپیش ہوئی، جنگِ حنین: یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلم فوج کی تعداد دشمن کی فوج سے زیادہ تھی۔۱۲ ہزار، دل پُر جوش تھے، حال ہی میں مکہ فتح ہوا تھا، ساز وسامان بھی پہلی جنگوں کے مقابلہ میں بہت کافی تھا۔

مسلم فوج خوش تھی۔ سوچا فوج کی تعداد زیادہ ہے، مالی حالت بھی اچھی ہے، مضبوط ہیں، فتح لازمی ہے۔ غرور کا غلبہ ہوا، نتیجہ دشمن کے تیراندازوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ فوج تتر بتر ہوگئی۔

پھر غرور سے باہر آئے۔ اللہ کا خوف، اطاعتِ رسول (ﷺ) کا جذبہ موجزن ہوا۔ ربُّ العٰلمین پر بھروسہ اور ایمانِ کامل جوش میں آیا۔ حرکت وعمل پر مستعد ہوئے۔ بھرپور حملہ کیا۔ فتح ونصرت نصیب ہوئی۔

اللہ نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی اور (جنگ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی کثرت پر غرور تھا تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مومنوں پر تسکین نازل فرمائی اور لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے، اتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (التوبہ۔ ۲۵۔۲۶)

"آج انفرادی اور اجتماعی طور پر اخلاقی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی یہاں تک کہ عدالتی حالات کی خرابی حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ ایمان کی کمزوری، خودغرضی، علمِ دین سے دوری اور عمل میں کوتاہی ہے۔

اسلام اعتدال پسند مذہب ہے۔ نبی کریم (ﷺ) نے قوم کی اصلاح اور تعلیم و

Marfat.com

تربیت میں اعتدال سے کام لیا۔ کسی بھی معاملہ میں غلو کو پسند نہیں فرمایا۔ غلو انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ دین اور دنیا دونوں کو حُسن تدبیر اور حُسن معاملہ کے ساتھ لے کر چلنا ہی ذی ہوش ہونے کی نشانی ہے۔ اسلام کسی بھی معاملہ میں انتہا پسندی کی تعلیم نہیں دیتا۔ رسولِ اکرم (ﷺ) نے معتدل، پُرامن، متوازن معاشرہ کی تشکیل کی۔ یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے۔

''وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ''○ (الاعراف۔۵۶)۔

ترجمہ: اور زمین (ملک) میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے ڈرتے ہوئے پُرامید ہو کر اس کو پکارتے رہنا۔ بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

........•:0:•........

”کھل جائے جس سے آنکھ“

جناب ابراہیم بن ادھم سلطنت کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ اللہ کی رضا اور آخرت کی فکر ہر شئے پر غالب آچکی تھی۔ مہینوں اور برسوں لوگوں سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔

ایک بار بصرہ کے بازار میں کسی نے اِبراہیم بن ادھم کو دیکھا۔ یکے بعد دیگرے لوگ اکٹھے ہوتے گئے۔ مجمع لگ گیا۔ کسی نے سوال کیا اور یہ سب کا سوال تھا، ”ہم دعاء کرتے ہیں اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں، بتایئے کیا کریں۔“ جناب ابراہیم بن ادھم نے جواب دیا۔ موصوف کے جواب کے ساتھ قرآن کریم کی آیات بھی لکھی جارہی ہیں جن سے اُن کے جواب کی تائید قوی ہورہی ہے۔

۱۔ فرمایا، ”تم لوگ اللہ کو پہچانتے ہو لیکن اُس کا حق ادا نہیں کرتے۔“

ترجمہ: ”مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے“ (آلِ عمران۔۱۰۲)

۲۔ تم لوگ اللہ کے رسول (ﷺ) سے محبت کا اظہار کرتے ہو لیکن اُن کی سنّت کی پیروی نہیں کرتے۔

ترجمہ: ”اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے (آلِ عمران۔۱۳۲)

قرآن کریم میں اللہ کے احکام کے ساتھ ساتھ سنّتِ رسول (ﷺ) کی پیروی کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ النساء:۵۹، سورۃ المائدہ:۹۲، سورۃ الانفال:۱، ۲۰، ۴۶، سورۃ طٰہٰ:۹۰، سورۃ النور:۵۴۔۵۶، سورۃ محمد:۳۳ وغیرہ۔

۳۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو لیکن اُس پر عمل نہیں کرتے۔

Marfat.com

ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، یہی لوگ اُس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو اُس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں'' (البقرہ:۱۲۱)۔

۴۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو کھاتے ہو مگر اُس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ترجمہ: ''پس اللہ نے جو تم کو حلال پاک رزق دیا ہے اُسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔'' (النحل۔۱۱۴)

۵۔ تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے لیکن تم اسی سے دوستی کرتے ہو۔

جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں نہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور جن کا ساتھی شیطان ہو کچھ شک نہیں وہ برا ساتھی ہے'' (النساء۔۳۸)

۶۔ تم جنت کی برحق ہونے کا اقرار کرتے ہو لیکن اس کے لیے عمل نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ برابر اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی گئی ''جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے، چاہیے کی عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے (کہف۔۱۱۰) سورۃ تغابن میں نیک اعمال ایمان اور جنّت میں داخل ہونے کے ذکر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

۷۔ اِسی طرح جہنم کے برحق ہونے کا یقین رکھتے ہو لیکن اس سے تمہیں خوف نہیں آتا ہے۔

ترجمہ: ''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (دوزخ) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں''۔ (التحریم۔۴)

۸۔ تم لوگ موت پر یقیں رکھتے ہو اس کے لیے تیاری نہیں کرتے۔

Marfat.com

ترجمہ: ''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے (آلِ عمران۔۱۸۵) آ گے فرمایا'' اگر استقلال سے کام لو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں''۔(آلِ عمران۔۱۸٦)۔

۹۔ تم نیند سے جاگنے کے بعد لوگوں کے عیوب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہو اور اپنے عیب پر نظر نہیں رکھتے۔ سورۃ الحجرات آیت۔۱۳ میں اس امر سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۰۔ تم اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہو لیکن اِس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

یہ ہے انسان کی اصلیت، مٹی پھر مٹی پھر حکمِ رب سے زندہ ہونا اور دار العمل میں گزاری ہوئی زندگی کا حساب و کتاب دینا۔ اصلیت یہی ہے پھر غرور کیسا؟ قرآن کریم میں لفظ غرور کئی بار آیا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی دھوکہ کے ہیں۔ مثلاً سورۃ لقمان۔۳۳، سورۃ فاطرہ۔۳۵، سورۃ الحدید۔۴، ۲۰، سورۃ آلِ عمران۔۱۸۵، سورۃ الاعراف۔۲۱، سورۃ الملک۔۲۰ اور سورۃ الاسراء۔٦۴، سورۃ الانعام۔۱۱۲ وغیرہ اُن کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان اُنہیں وعدے دیتا ہے وہ صرف دھوکہ ہے۔ (النساء۔۱۲۰)

اپنی اصلیت سے دور ہو کر غرور میں یعنی دھوکہ میں مبتلا انسان اپنا محاسبہ کرنے کی صلاحیت کو کھو دیتا ہے، اِسی وجہ سے اُس کے ذہنی توازن میں کمی آجاتی ہے اور جب وہ غرور میں مستقل رہتا ہے تو ہر مغرور بے اہمیت کی طرح ڈوب جاتا ہے۔

مومن اگر واقعی مومن ہیں تو خیر کی دعاء کرتے ہیں کسی بھی ممنوع چیز کی دعاء کرنا مسلم کا شیوہ نہیں نہ کسی مسلم کے لیے بد دعاء کرتے ہیں۔

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں''۔(بخاری و مسلم)

پرامن ماحول میں بدامنی پھیلانا اور کسی کو بھی بے قصور پریشان کرنا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ ''اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (المائدہ۔۶۴)۔

کوئی بھی مسلمان (اگر واقعی مسلم ہے) اللہ سے ایسی دعاء نہیں کرتا جس میں گناہ اور قطع رحم (رشتہ داروں سے قطع تعلق) کی بات ہو (مسندِ احمد)۔

اگر دعاء قبول ہونے میں دیر ہو جائے تو نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کب اور کس طرح ہو جائے کوئی نہیں جانتا۔ بے چینی کے ساتھ یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ دعاء قبول نہیں ہوتی۔ بندہ جب اپنے رب سے خلوص کے ساتھ دعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ضرور نوازتا ہے۔

حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''اللہ تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا کرتا ہے: اس کی دعاء کو جلد قبول فرمالیتا یا اُس دعاء کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیتا ہے یا پھر اُس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے (مسندِ احمد)۔

دعاء بندگی کا نہایت واضح اور مؤثر مظاہرہ ہے اور عدم دعاء بندگی سے گریز، استکبار اور سرکشی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ''اپنے نفع کی چیز کو کوشش و محنت سے حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ہمت مت ہارو'' (مسلم)۔

ایک رئیس کو آنکھوں کی ضرورت پیش آ گئی۔ بروقت آنکھوں کے بینک میں ایک سی حسب منشاء آنکھیں موجود نہ تھیں۔ اس نے بڑے پیمانے پر تلاش جاری کرادی۔ نیم کے پرانے درخت کے نیچے ایک فقیر نظر آیا۔ قد آور خوبصورت اور صحت مند پھٹے حال اور بھوکا، تلاش کرنے والوں نے کہا ''ایک رئیس کو آنکھوں کی ضرورت ہے، ڈھائی لاکھ روپے اور

Marfat.com

کچھ زمین اس کا عِوض ہے۔ کیا تم اپنی آنکھیں دو گے؟''

فقیر سوچنے لگا، کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رئیس کے کارندے خوش تھے۔ یہ شخص ضرور راضی ہو جائے گا، کبھی زندگی میں ڈھائی لاکھ روپے اور زمین کے بارے میں سوچا بھی نہ ہوگا لیکن لوگوں نے دیکھا، وہ فقیر اچانک سجدہ میں چلا گیا اور شکرِ الٰہی ادا کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ بولا میں اب تک کتنے اندھیرے میں تھا۔ رب نے مجھے کس قدر دولت سے نوازا ہے۔ میرے جسم کے صحیح اور صحت مند اعضاء کس قدر بیش بہا دولت ہیں، میں نے کبھی ان چیزوں کا شکر ادا نہ کیا جو اُس نے مجھے دے رکھی ہیں، نہ اُن سے صحیح کام لیا۔ بس اِسی غم میں رہا جو نہیں تھا۔ میں تو خود ہی مالا مال ہوں، وہ اپنی طاقت وصلاحیت کو مناسب کام و محنت میں لگانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھیں دینے سے انکار کر دیا۔

آج ہم میں اکثر لوگ سرگرداں، پریشان، غمگین نظر آتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ شکر ان نعمتوں کا بہت کم کرتے ہیں، صرف دھیان اُدھر جاتا ہے جو چیز نہیں ہے۔ اگر نعمتوں کا شکر ادا کرنا شروع کریں اور دیکھیں کہ ربُّ العٰلمین نے کیا کیا عنایت فرمایا ہے تو ناشکری کا وقت بھی نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''سو تم مجھے یاد کرتے رہو، میں تمہیں یاد رکھونگا، میرا شکر ادا کرتے رہو، ناشکری مت کرو'' (البقرہ۔۱۵۲)۔

اللہ سے دعاء کرنا اور شکر ادا کرنا عبد کو معبود سے قریب کرتا ہے۔ یہ یقینِ محکم بھی ہے اور بندگی کا اعلان بھی۔ اِسی کے ساتھ قُرآنِ کریم میں بار بار غور وفکر کرنے، حرکت و عمل، مشاہدہ کرنے محنت اور کوشش کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

........•:0:•........

"راہِ ارتقاء"

جس وقت اِسلام کا نیّرِ تاباں طلوع ہوا باطل شکست و ریخت سے دو چار تھا۔ ایران، روم، ہندوستان اور عرب بلکہ بھی جگہ انسانوں نے انسانیت کو تقریباً بُھلا دیا تھا۔ جس کی وجہ تھی تعلیماتِ خداوندی سے بے توجہی، مذہب کے اصولوں اور قوانین کی پیروی کرنے کے بجائے صرف نفسانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنا، بے راہ روی کو ترقی پسندی کا نام دینا اور اللہ سے نہ ڈر کر انسانوں سے ڈرنا۔

مذہب کے نام پر انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی جو یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ رشتۂ ازدواج جیسے پاکیزہ، بامقصد اور جذباتی رشتہ کو لے کر عورت کی بے حرمتی اور بے وقعتی کا یہ حال ہو گیا تھا کہ کسی بھی پتھر کے ساتھ اُس کی شادی کر دی جاتی تھی اور ہر کس و ناکس کا وہ شکار ہوتی رہی تھی۔

ظالم اپنے کو دلیر اور بہادر کہتے تھے۔ کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ بے انصافی کا بازار گرم تھا۔ مالدار، سردار یا اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والا آدمی اگر کوئی جرم کرتا تو سزا کا مستحق نہ قرار پاتا، وہی جرم اگر غلام یا غریب آدمی کرتا تو پوری پوری سزا دی جاتی تھی۔ یہ طریقہ بھی عام تھا کہ اگر رئیسِ قوم قتل کرتا تو بدلے میں وہ قتل نہ کیا جاتا بلکہ مقتول کی قدر کے حساب سے قاتل کے بے قصور غلام قتل کر دیئے جاتے تھے۔

سرداروں اور رئیسوں کی اولاد ہی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ پڑھیں، لکھیں اور اچھے عہدوں پر فائز ہوں۔ غلاموں اور دوسرے پیشوں کے افرادوں کی اولاد چاہے کتنی ہی باصلاحیت اور ذہین ہوتی اُن کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ پڑھ سکیں یا کوئی اعلیٰ درجہ کا ہُنر سیکھ لیں۔ اگر کوئی ہمت کرتا تو اُس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔

بیٹی کی ولادت غم کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ سماجی، اخلاقی، معاشی، اقتصادی اور سیاسی بے راہ روی کا دور دورہ تھا۔

ربُّ العٰلمین نے رحمتُ اللّلعٰلمین حضرت محمد مصطفٰےؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیج کر انسانوں کی ہدایت و تعلیم کا انتظام فرمایا۔ بھلائے ہوئے سبق کو دہرایا۔

عرب کے شہر مکّۃ المکرّمہ، ابوقبیس پہاڑی کے قریب محلّہ سوق میں ۵۷۱ء میں جناب عبداللہ بن شیبہ (عبدالمطلب) اور بی بی آمنہ بنتِ وہب کے یہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپؐ دوسرے بچوں سے مختلف تھے۔ برائیوں میں حصہ لینا تو درکنار، سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ۵۸۶ء میں ۱۵ سال کی عمر میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ مظلوم کی مدد کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، حق دار کو اُس کا حق دلانے کی کوشش کریں گے۔

۶۰۵ء میں آپؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ کعبہ شریف کی عمارت کی مرمّت ہورہی تھی۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ سنگِ اسود کو اُس کی جگہ پہنچانے کی سعادت نصیب ہو۔ سخت تنازع ہونے لگا بلکہ جنگ کے حالات رونما ہونے لگے تھے کہ ایک معمر شخص ابواُمیہ نے کہا کہ کل جو کعبہ میں سب سے پہلے آئے سب اس کا فیصلہ مان لیں۔ اگلی صبح لوگوں نے دیکھا، جناب محمدؐ بن عبداللہ وہاں پہنچ چکے تھے۔ آپؐ نے فیصلہ فرمایا، ایک بڑی چادر منگائی، حجرِ اسود اس میں رکھا اور ہر قبیلہ کے سردار نے چادر پکڑی اور حجرِ اسود کو اُس کے مقام تک لے گئے، آپؐ نے اٹھا کر نصب کر دیا۔ ہر شخص خوش تھا۔ اس بے نظیر فیصلہ سے جنگ ہوتے ہوتے رک گئی۔ سیکڑوں جانیں بچ گئیں۔

قوم کی بگڑی ہوئی حالت پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت فکرمند رہتے تھے۔ ضرورت

Marfat.com

مندوں کی مدد فرماتے، کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے، بے کس قرض داروں کا قرض چکا دیتے، رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک فرماتے۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ نبوت ملنے سے پہلے صادق اور امین جیسے پاکیزہ القاب سے پہچانے جاتے تھے۔

۶۱۰ء ۴۰ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت کے عظیم رتبہ سے سرفراز کیا۔

سب سے پہلے سورۃ العلق کی ۵ آیتیں نازل ہوئیں۔ اسلام میں تعلیم و تعلم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ پہلی وحی پڑھنے اور پڑھانے سے متعلق نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ج خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ج اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ لا الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ط ۝

(العلق: ۵۔۱)

ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپؐ نے اللہ کی وحدانیت کی تعلیم دی۔ لوگ اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں میں بکھرے ہوئے تھے۔ توحید کی تعلیم دے کر آدمیت کا وہ سبق دیا۔ اُن کو ایک جماعت بنایا۔ ایک قوم ہو گئے۔ انسان نے اپنی حقیقت کو پہچانا۔ سمجھ میں آیا کہ سوائے خالق کے ہر شے انسان کی خدمت گار ہے۔ رتبہ میں انسان سے کم درجہ رکھتی ہے۔ آدمی کا سر صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنے کے لائق ہے۔ جو اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ وہ ہر کس و ناکس کے سامنے نہیں جھکتا۔ سر بلند رہتا ہے۔

جب تک مومنین نے مسلم ہونے کا حق ادا کیا۔ اللہ سے کیے ہوئے عہد کا پاس رکھا۔

Marfat.com

وفاداری کے جذبات بلند رہے، اُس وقت تک روشن ستارے بنے رہے:

گلشن میں سروِ فوج میں مثلِ نشاں رہے

عالم میں سر بلند رہے ہم جہاں رہے

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو حکم دیا کہ لوگوں سے کہہ دو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ؕ (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (محمدؐ) پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔

نبی آخرالزّماں حضرت محمدِ مصطفیٰؐ کی سیرتِ پاک قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں اچھا نمونہ ہے اور اُن کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن میں امید رکھتے ہیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کیا۔

نبی کریمؐ کی سیرت کے مطابق زندگی گزارنے کا مطلب ہے حق شناسی، حقوق و فرائض کے توازن کو قائم رکھنا، رشوت خوری، سودخوری جو کہ سماج میں غریبوں اور مجبوروں کا خون چوسنے کا ذریعہ ہیں، اُن سے بچنا۔

حیاداری، جسم پوشی، نیک کرداری، عدل وانصاف، عہد کا پاس، سچائی، امانت داری، دیانت داری، فلاحِ عام اور خدمتِ خلق نام ہے آپؐ کی پیروی کا۔

قتل و غارت گری، چوری، ناپ تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری سے بچتے رہنا مومن کی صفت ہے۔

Marfat.com

آپ (ﷺ) محسنِ انسانیت تھے۔ اخلاق کے بلند ترین درجہ پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (القلم:۴)

ترجمہ: ''اور بیشک تیرا اخلاق بڑا اعلیٰ ہے۔''

آپ (ﷺ) کا ذِکر شہرت تو تمام عالم میں ربُ العزت ارفع کر چکا۔

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ (الانشرح:۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

تحریر و تقریر سے آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُمتِ مسلِمہ اللہ کے ساتھ باندھے ہوئے اپنے عہد و میثاق کو یاد کریں اور انسان غور و فکر سے کام لیں۔ حق و باطل۔ کے فرق کو پہچانیں۔ نفع بخش تحریک و عمل میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ○ (الاعراف:۱۷۶)۔

ترجمہ: واقعات بیان کرو تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور رشتہ اخوت قائم رکھا تو دنیا و دین کی خیر و برکت اُن کی تھی، فتح و کامرانی اُن کے قدم چومتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اُمت نے اللہ کی رسی کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اخوت اسلامی اور بھائی چارے کے جذبات کو پس پشت ڈال دیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ خیر سے محروم ہونے لگے۔

زمانہ شاہد ہے کہ قومیں جب تک اپنے خود ساختہ اصول، رسم و رواج کی بوجھل زنجیروں میں گرفتار تھیں، ترقی سے محروم تھیں، جب اُنہوں نے اس قید و بند کو توڑا۔ اسلام کے سارے واضح، روشن اور قابلِ پسند اصول اختیار کرنا شروع کیے تو ترقی کے عروج پر پہنچی۔

Marfat.com

آج مسلمانوں نے پھر اسلامی رسم و رواج کے بہت سے اصنام بنا رکھے ہیں اور مزاج میں باطل پسندی سی اُبھر رہی ہے۔

آج بیسویں کا آخر ہے۔ اکیسویں صدی کی دستک ہے ترقی کا دور ہے، علم و فن بامِ عروج پر ہیں۔ ہر شخص بے حد مصروف ہے۔ سوال یہ ہے کہ دورِ جدید میں اسوۂ رسول (ﷺ) کی پیروی کس حد تک جا سکتی ہے۔ اس سائنس اور مشینوں کے دور میں سیرتِ رسولؐ یعنی قرآن کریم کے عملی نمونہ کے مطابق زندگی گزارنا کہاں تک ممکن ہے۔

اس کے لیے آج کے مسائل کا جائزہ لینا ہوگا۔ دورِ حاضر میں تحفظ ماحول بین الاقوامی سطح کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اگر سنتِ رسول (ﷺ) پر عمل کیا جاتا تو یہ مسئلہ رونما نہ ہوتا۔ پیڑ پودے غیر ضروری طور پر کٹنے کی وجہ سے جنگل ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا تھا: ''تم میں جو پیڑ لگاتا ہے اور اُس میں سے کوئی جانور، پرندہ یا انسان کھائے تو اس کو ثواب ملتا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا، ''سڑک کے کنارے درخت لگاؤ۔'' (صحیح بخاری) حضور (ﷺ) نے فرمایا: ''عوامی مقامات پر گندگی نہ کرو۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

شریعتِ اسلام میں مکروہ تحریمی ہے کہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پانی کے مقامات جیسے دریا وغیرہ میں ڈالی جائے تا کہ بیماریاں نہ پھیلیں (علم الفقہ)۔

آپؐ نے فرمایا ''برتنوں کو ڈھک کر رکھو۔ صبح اُٹھ کر بغیر ہاتھ دھوئے کسی برتن میں ہاتھ مت ڈالو'' (صحیح مسلم) یہ وہ زرّیں اصول اور نکھری ہوئی تعلیم ہے جو نبیؐ نے اب سے ۱۴ سو سال سے بھی زیادہ پہلے ہی انسانوں کو دی تھی لیکن انسانوں نے ہٹ دھرمی اور نا سمجھی و کم عقلی کی وجہ سے نہ سمجھا۔ اب جب طرح طرح سے عمل نہ کرنے کے نقصانات آ موجود

Marfat.com

ہوئے تب بیسویں صدی کے دم توڑتے وقت لوگوں میں یہ تعلیم مختلف ذرائع سے اس طرح دی جارہی ہے جیسے کوئی نیا کام ہو رہا ہے۔ اگر پہلے سے آپؐ کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا جاتا تو ماحول کی یہ درگت نہ بنتی۔ آج بھی خلوص کے ساتھ آپؐ کا اتباع کیا جائے تو حال بہتر ہو جائے گا۔

نبی رحمت (ﷺ) نے فرمایا تھا ''جو شخص بنجر زمین کو زرخیز بنانے کی کوشش کرے گا، زمین اس کی ہوگی۔'' (صحیح مسلم) اِس طرح بھی آپؐ نے ہریالی قائم رکھنے کی ترغیب دی۔

آج گھریلو انتشار، نشہ آور اشیاء کا استعمال، جوا، لاٹری، بڑے مسئلے بنے ہوئے ہیں اُن میں سب کا علاج صرف قرآن کریم اور سورۂ حسنہ کی پیروی میں ہے۔ قرآن کریم ایک واحد مذہبی کتاب ہے جس میں اُن سب کے سلسلے میں اصول و قواعد کی تفصیل ہے۔

رنگ و نسل و زبان اور وطن پر جھگڑوں کا بازار گرم ہے۔ لوگ ترقی پسند ہیں۔ قومی یک جہتی کا تذکرہ بھی ہونا شروع ہو گیا ہے لیکن تفریق و تنازے بڑھتے جا رہے ہیں۔ نبی کریم (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنا کر جھگڑوں کو یک قلم موقوف کر دیا۔ بتا دیا کہ تمام انسانوں کی اصلیت یہ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

(الحجرات:۱۳)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ تمہارے گروہ اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور سب سے باخبر ہے۔''

سورۃ ''روم'' میں اللہ ربُّ العزت نے فرمایا: تمہاری مختلف زبانیں بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک اور نشانی ہے۔

نبی کریم نے کبھی کسی زبان کے لیے یہ نہیں کہا کہ وہ نہ سیکھی جائے بلکہ آپ ؐ نے حضرت زید بن ثابت سے فرمایا تھا ''تم یہود کی زبان سیکھ لو تا کہ خط و کتابت میں آسانی رہے'' (صحیح بخاری)۔

نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پہلے صنفِ نازک اَبلا جیسے لقب سے پکاری جاتی تھی۔ تاڑن کی ادھیکاری مانی جاتی تھی۔ حد یہ تھی کہ بحیثیت ماں کے بھی اس کا کوئی مقام نہ تھا۔ عورت کی بخشش کا تصور بھی شوہر یا بیٹے کی شکل میں مرد کی خدمت پر منحصر تھا۔ اسلام نے صنفِ نازک کو عزت بخشی۔

بیٹی کی ولادت پر غم کرنا باطل پرستوں کی صفت بتا کر واضح کر دیا کہ مومن کی صفت ہے کہ وہ لڑکی کی ولادت پر ناخوش نہ ہو۔ قرآن کریم میں بیٹی کی ولادت پر لفظ خوشخبری آیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۚ (النحل:۵۸)

ترجمہ: ''اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ (غم سے) کالا پڑ جاتا ہے اور وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے۔''

آج اس ترقی کے دور میں لوگ اپنے کو روشن خیال اور وسیع النظر کہہ رہے ہیں۔ ساتھ سیکس ڈٹرمنیشن کے بعد لڑکیوں کو زندہ مروا کر پیدا ہونے کے حق سے بھی محروم کر رہے ہیں۔ ایسا کرتے وقت اُن کو ماں کی صحت کی بھی پروا نہیں رہتی۔

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق بیٹی کو زندہ دفن کرنے والا باپ اتنا مغضوب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہونا تک پسند نہ فرمائے گا۔

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○ (التکویر:۹)

ترجمہ: ''اور جب اُس لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی، پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی''

رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث ہے ''جو شخص اپنی بیٹی یا غلام لڑکی کو اچھی طرح سے پالے، اچھی تربیت دے، اسے کمتر نہ سمجھے اور اُس میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہونے دے وہ جنّتی ہے۔'' (صحیح مسلم وصحیح بخاری)

بیسویں صدی کے آخری دور میں بھی عورت مجبور سمجھی جارہی ہے اور کافی حد تک مجبور کردی گئی ہے کیونکہ دَورِ جاہلیت کے اکثر خیالات اور رواج عملی طور پر چھوڑے نہیں گئے۔ برابر افراط تفریط کو دخل ہے۔ اِسلام کی اعتدال پسندی پر عمل درآمد کیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ بنتِ خویلد اعلیٰ پیمانے پر تجارت کرتی تھیں، درآمد اور برآمد ہوتا تھا۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ کبھی آپؐ نے تجارت کرنے سے منع فرمایا: ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔ آپؐ کے دور میں صحابیات دست کاری اور صنعت گری میں ماہر تھیں۔ آپؐ نے اُن کے محنت اور صنعت کی تعریف فرمائی اور ہمت افزائی کی۔ جنگِ اُحد ۳ھ میں مسلم خواتین نے میدانِ جنگ میں جاکر زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کی۔ جنگِ قادسیہ ۱۵ھ میں ساٹھ مجاہدہ خواتین نے میدانِ کارزار میں جاکر دشمن کے چھکّے چھڑا دیئے۔ یہ خواتین گھوڑا سواری اور اونٹوں پر سواری کرنے میں ماہر تھیں۔ فنِ سپہ گیری سے بخوبی واقف تھیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق علم نام ہے معرفتِ اِلٰہی کا، احکامِ خداوندی سے واقفیت کا اور حق شناسی کا۔ علمِ حقیقی وہ ہے جس سے انسانیت بیدار ہو، اخلاق و عادات بہتر بنانے میں مددگار ہو، شخصیت میں نکھار پیدا ہو، کردار بلند ہو، قدرتی صلاحیت کو جلا نصیب ہو۔

Marfat.com

عقل کے حساب سے بہتر سے بہتر غذا اور ٹھکانہ تو جانور بھی تلاش کرتے ہیں، صرف تمام زندگی اُن کے حصول میں لگا دینا ترقی نہیں ہے۔ ترقی کا نام ہے وسع النظری، عدل پسندی، بھائی چارے کی رسم کو عام کرنا، امن و آشتی کو قائم کرنا اور قائم رہنے دینا۔ زندگی کے ہر معاملے میں اپنا محاسبہ کرنے کی قوت رکھنا، یہ سب حاصل ہوسکتا ہے اگر رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے کسی قوم کی اچھی بات سیکھنے سے کبھی منع نہیں کیا:

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اسلامی تعلیمات ہمیشہ کے لیے قابلِ عمل ہیں، ہر جگہ کے لیے، ہر طبقہ کے لے اور ہر دَور میں تازہ ہیں، پُر حیات ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ تعلیمی سفر کا ذکر صرف قرآن کریم میں ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ۝ (العنکبوت ۲۰)

ترجمہ: ''کہہ دے کہ زمین پر چلو پھرو (سیر کرو) اور دیکھو کہ اُس نے (اللہ نے) کس طرح خلقت کو پیدا کیا۔''

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۝ (الروم: ۴۲)

ترجمہ: ''کہہ دے زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ پہلے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا۔''

اسلام ذہن اور عقل کی کشادگی اور معلومات کے حصول کے لیے مشاہدات کی دعوت دیتا ہے کیونکہ مشاہدۂ قدرت، معرفتِ الٰہی کا راستہ ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (یونس: ۱۰۱)

Marfat.com

ترجمہ: ''(اے نبیؐ) لوگوں سے کہہ دے مشاہدہ کرو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

مندرجہ بالا آیت میں کائنات میں سفر کر کے مشاہدہ کرنے اور غور و فکر کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یعنی بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالموں کا پالنے والا ہے اور نبی آخر الزّماں محمد مصطفےٰؐ کے لیے فرمایا گیا رحمۃ اللّلعٰلمین۔ تمام جہانوں کے لیے رحمت (الانبیاء:۱۰۷) اور قرآن کریم کو تمام عالموں کے لیے نصیحت فرمایا گیا ہے۔ ذِکرٌ لِّلعٰلَمِینَ (یوسف:۱۰۴)۔ خلّاق العلیم اللہ تعالیٰ نے زمین کی مخلوق کی حیات کے لیے ہوا اور پانی ضروری بنائے ہیں۔ ہو سکتا ہے دوسری مخلوقات کی زندگی کے لیے کچھ اور اجزا ضروری ہوں۔ اللہ علّام الغیوب ہے۔ سمندر کی معلومات حاصل کرنے کی طرف بھی مائل کیا گیا ہے۔

هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُم فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط (یونس:۲۲)

ترجمہ: وہی تو ہے (اللہ تعالیٰ) جو تم کو خشکی اور سمندر میں سیر کرنے (چلنے پھرنے) کی توفیق دیتا ہے۔

انسان اگر تعلیماتِ قرآنی اور اُس کی عملی شکل یعنی نبی کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کی خلوصِ دل سے پیروی پر کمر بستہ ہو تو ہر شعبۂ حیات میں کامیابی اور عزّت نصیب ہوگی۔ سماج سے تنگ نظری اور تعصب دور ہوگا۔

آج ضرورت ہے کہ ہم سب ان اخلاق و عادات کے پابند ہو کر دنیا کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیں جن کے ذریعہ رسولِ اکرم نے لوگوں کے دلوں کو مسخّر کر لیا تھا اور آپؐ کے اتباع سے جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی قوم علوم و فنون اور آدمیت کے بامِ عروج پر پہنچی۔

دینِ احمد راستہ ہے سر بسر تعمیر کا
ارتقاء کا، روشنی کا، خواب کا، تعبیر کا

........:0:........

Marfat.com

''اسلام اورتحفظِ حیوانات''

انسان کواللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا یعنی نائب۔انسان دنیا اور دنیا کی چیزوں کا مالک و آقانہیں ہے، امین ہے،قوّام یعنی ناظم ہے۔

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں'' (سورۃ البقرہ۔۳۰)

انسان کو یہ عہدہ عطافرما کراُس پر بہت سی ذمّہ داریاں دوسری مخلوق کی بھی عائد فرما دی ہیں۔ جواُن کے حق اور انسان کے فرائض ہیں۔ جانور انسان کے قابو میں کردیئے گئے ہیں تاکہ اُن سے فائدہ حاصل کیا جائے۔صحیح اور مناسب استعمال کیا جائے نہ کہ اُن کا جو چاہیں وہ کریں۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کردیا ہے اور تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن'' (لقمان۔۲۰)

جانوروں کے اندر احساسات اور جذبات ہیں وہ حکمِ اِلٰہی کے پابند اور اُس کے بندے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے اندر عبادتِ رب العٰلمین کا جذبہ بھی ہے۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی اور سب اپنی عبادت اور تسبیح سے واقف ہیں۔'' (النور۔۴۱)۔

Marfat.com

اسلام تمام عالم کے لیے رحمت ہے اور ہر شے اور ہر نفس کے لیے امن و سلامتی کا باعث ہے۔ بہت سے جانور ہوا پانی اور مٹی کو صاف رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ زمین کی شان ہیں کیونکہ ماحول کی حفاظت اُن سے متاثر ہوتی ہے۔ اُن میں سے بہت سے جانوروں کو کھانا شریعت نے حرام قرار دے دیا ہے۔

''حالتِ احرام میں اور حرم کی سرزمین میں جانوروں کو مارنا، خود شکار کرنا اور کسی دوسرے کو شکار کے لیے اشارہ کرنا یا ترکیب بتانا ممنوع ہے۔'' (ماخوذ از المائدہ ۹۵۔۹۶)

دنیا کی حد درجہ چاہ، نمود و ار اور عیش پسندی کی وجہ سے بھی انسان جانوروں کو محض غیر ضروری اشیاء کے حصول کے لیے تلف کر رہے ہیں۔ جیسے سانپ، چیتے، ہاتھی، شیر، ہرن اور خاص پہاڑی بکرا، شاہ توس وغیرہ کو۔

اسلام میں جانوروں کی غذا اور دیکھ بھال رکھنے کی ترغیب ہے۔ احادیثِ رسول (ﷺ) میں یہ ہدایات مستقل نظر آتی ہیں۔

''جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے، پھر اُس میں سے کوئی آدمی، پرندہ یا کوئی چوپایا کھاتا ہے تو اس درخت لگانے والے انسان کو صدقے کا ثواب ہوتا ہے۔'' (جامع ترمذی ابواب الاحکام)۔

فاتح اعظم محمود غزنوی کے والد سبکتگین کی آمدنی کا ذریعہ شکار تھا اور اُن کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ ایک دن وہ شکار کے لیے جنگل کی طرف نکلے۔ اتفاق سے شام ہونے لگی اور شکار ہاتھ نہ لگا، اچانک اُن کی نظر پڑی، ایک ہرنی اور اُس کا بچہ چلے جا رہے تھے۔ اُنہوں نے گھوڑا پیچھے لگا دیا۔ ہرنی بھاگ گئی، بچہ پکڑا گیا۔ گھوڑے پر باندھا اور چل دیئے۔ دور جا کر اندازہ ہوا کہ کوئی پیچھے آ رہا ہے، دیکھا وہی ہرنی ماں اب پیچھے چلی آ رہی

Marfat.com

ہے، اپنے بچے کی وجہ سے، سبکتگین کو کورحم آیا اور بچے کو چھوڑ دیا۔ رات بھر بھوکا رہنا پڑا اور اِسی طرح کسی وقت نیند آ گئی۔

خواب میں دیکھا کہ حضورِ اکرم (ﷺ) تشریف لائے ہیں۔ سلطنت حاصل ہونے اور سلطان بننے کی خوش خبری دی اور فرمایا، ''جس طرح تم نے ہرنی اور اُس کے بچہ پر رحم کیا، آئندہ بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم و ہمدردی کا برتاؤ رکھنا۔'' (تاریخ)۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور (ﷺ) کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک اونٹ آپؐ کو دیکھ کر بلبلانے لگا۔ حضورؐ رُک گئے اور اُس کے مالک کو بلایا۔ فرمایا کہ اونٹ تمہاری شکایت کر رہا ہے۔ اس کے خیال رکھنے، غذا پوری دینے کی ہدایت فرمائی۔ (بخاری و مسلم)۔

ایک خاتون کے بارے میں آپ نے مغضوب ہونے کی اطلاع دی، کیونکہ اُس نے بلّی پالی اور بھوکا پیاسا رکھا۔ ایک عورت کو رضائے اِلٰہی نصیب ہوئی کیونکہ اُس نے ناسازگار حالات میں بھی پیاسے کتے کو پانی پلانے کی جدوجہد کی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور چارپایوں میں بوجھ اُٹھانے والے بھی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے بھی (یعنی بڑے بھی اور چھوٹے بھی) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔'' (سورۃ الانعام۔۱۴۳)

''سنّتِ اِبراہیم کے مطابق قربانی کا حکم ہوا لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ کن جانوروں کی قربانی کی جا سکتی ہے اور اُن کی نسل میں ایسی برکت دی کہ ہزاروں سال سے آج تک دنیا کے کسی بھی حصے میں اُن کی نسل میں آج تک کمی محسوس نہیں کی گئی۔''

''یہ آٹھ قسم کے ہیں: دو بھیڑوں میں سے (نر، مادہ) اور دو بکریوں میں سے (ایک

نر ایک مادہ) اور دو اونٹوں میں اور دو گایوں میں سے۔'' (الانعام ۱۴۵۔۱۴۴)۔

احادیث میں فرمانِ رسول اللہ (ﷺ) ہے کہ قربانی سے پہلے چھری اچھی طرح تیز کر لی جائے تا کہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ کم تیز چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے تا کہ اُس کو صدمہ نہ ہو۔ جانور ذبح کرنے کے بعد جب تک ٹھنڈا نہ ہو جائے، کھال اُتارنا منع ہے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ اور قوت سے زیادہ کام لینا منع ہے۔

اسلام سے پہلے اور کچھ قوموں میں آج ۲۱ ویں صدی میں بھی جانوروں اور پرندوں کو آپس میں لڑوا کر تماشہ دیکھا جاتا ہے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کچھ قوموں میں طریقہ ہے کہ جانوروں کا کان پھاڑ کر یا گرم لوہے سے داغ کر آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اِس میں دو طرح کے نقصان ہیں، ایک تو یہ کہ خود اُس جانور کو تکلیف پہنچتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی طرح کا کام نہ کرنے کی وجہ سے جانور میں زیادہ قوّت و طاقت بڑھ جاتی ہے اور وہ دوسرے جانوروں اور انسانوں کے لیے بھی خطرہ بن جاتا ہے۔

''اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں۔'' (المائدہ۔۱۰۳)۔

بحیرہ

وہ اونٹنی جو بتوں کی نذر کی جاتی تھی۔ اُس کے کان پھاڑ کر چھوڑ دیتے تھے اور کوئی اُس کا دودھ نہیں دوسکتا تھا۔

سائبہ

وہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُس پر بوجھ وغیرہ نہیں لادتے تھے۔

وصیلہ

وہ اونٹنی جو یکے بعد دیگرے دو بچے دے اور دونوں مادہ ہوں اُس کو بھی شگن کے طور پر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور حام وہ اونٹ ہے جس کی نسل سے کچھ بچے پیدا کرانے کے بعد آزاد مست چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُس سے کوئی بھی کام لینا ترک کر دیتے تھے اور اُس کو عبادت سمجھتے تھے۔

اسلام نے اُن باطل خیالات کا خاتمہ کیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جانوروں کے داغنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اِس طرح گرم سلاخ وغیرہ سے اُس کو اذیت پہنچتی ہے۔

ہمارے ملک میں Wild Life Act ۱۹۷۲ میں بنا لیکن اسلام میں یہ قانون ساڑھے چودہ سو سال پہلے نازل ہو چکا تھا لیکن جانوروں کو طرح طرح سے پامال کر کے اور اذیتیں پہنچانے کے بعد اب دنیاوی طور پر کچھ ہوش آیا ہے باقی لوگوں کو۔

جانوروں کی حفاظت اور صحیح استعمال ملک سے غریبی دور کرنے اور آلودگی دور کرنے میں مددگار ہوگا۔

جانوروں کو خوشی و غم کا احساس ہوتا ہے اُن کی بھی نفسیات ہوتی ہیں۔ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلّی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، کبھی کسی جانور کو تکلیف نہ دی۔ اُمّت کو اُن سے ہمدردی کا برتاؤ کرنے کی نصیحت فرمائی۔

اُن تمام اصولوں سے موجودہ نسل کو واقفیت دینی لازم ہے تا کہ یہ آئندہ نسل تک آسانی سے پہنچ سکیں اور مستقبل میں جانوروں اور پرندوں کو قدرتی ماحول اور پُرسکون زندگی میسر ہو سکے۔ صاف ستھری غذا، کھلے میدان، ہوا اور پانی پر اُن کا بھی حق ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

"عظمت کا نشان"

بنیادی نظام بحال اور درست ہوگا، تب ہی سماج پُرسکون منظم و متحد ہوگا۔ خاندان معاشرہ کی بنیاد ہے، سب سے پہلے اس کی شیرازہ بندی اور تحفظ کی ضرورت ہے۔

عائلی نظام کی بنیاد تین باتوں پر ہے (۱) محبت و ہمدردی (۲) عدل (۳) تکافل یعنی کفالت سے متعلق حقوق اور فرائض۔

اسلام نے آپسی میل محبت، منصفانہ رویّہ اور ایک دوسرے سے قرابت کے حساب سے رحم و ہمدردی اور سلوک کی ہدایت کی ہے۔ اگر آپس میں یہ پُرخلوص جذبات کام کر رہے ہوں گے تب ہی آگے بڑھ کر ملک و ملّت تک پہونچ سکتے ہیں ورنہ غیر مخلص انسان سماج کے لیے سودمند نہیں ہوسکتا۔ صفائے قلب از حد لازمی ہے۔ جس میں صفائے قلب نہیں وہ آدمیت کا درس کیا دیگا۔ آج معاشرے میں دکھاوا اور تصنّع ہے۔ اعلٰی درجہ کے لباس میں بہت سے ادنی درجہ کے انسان نما جسم جن کے دماغ منفی خیالات اور شاطرانہ چالوں کی آماجگاہیں۔ شان سے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن کی تعلیمات انسان کو آدمیت کا درس دیتی ہیں۔

رسولِ اکرم (ﷺ) نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص چاہتا ہے کہ اُس کی عمر میں اضافہ ہو اور اُس کے رزق میں برکت ہو اُس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے (مشکوٰۃ)۔

حقوق ذمہ داریوں کے ساتھ وابستہ ہیں، جس شخص پر نفقہ واجب ہوگا، چھوڑے ہوئے مال پر وہی اُس کا وارث ہوگا، اِسی لیے وارث پر نفقہ واجب ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ قانون کی نمایاں خصوصیت ہے کہ ہر فرد کے حقوق کی

Marfat.com

اعانت کی گئی ہے۔ بزرگوں اور ضعیفوں کے لیے خاص احکامات نازل کیے ہیں، کیونکہ اُن کے تجربات فرد، قوم و ملک کے لیے نہایت مفید اور اہم ہوتے ہیں۔ نئی نسلوں پر اُن کے پُر خلوص اور بے لوث احسانات ہوتے ہیں۔ نرم گفتگو اور حُسنِ سلوک اُن کا واجب حق ہوتا ہے۔ بہترین سلوک کا بدلہ بہترین برتاؤ ہی ہے۔ (الرّحمٰن۔ ۶۰)۔

انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو کبر سنی کی وجہ سے کمزور اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ قوّتِ برداشت، فکر و عمل کی طاقت، جذبات اور احساسات، نازک اور سرد ہو جاتے ہیں۔ طبیعت حساس اور قدرتی طور پر جو برتاؤ کر چکا ہوتا ہے اُسی کا امیدوار ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو بے غرضی اور خلوص کے ساتھ زندگی کے قیمتی لمحات، مال و دولت، خدمات سبھی سے نواز چکا ہو تو اُس کے دل میں دوسروں کی طرف سے بھی اچھی اور پُرخلوص آس ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بوڑھے والدین کے ساتھ بہترین برتاؤ، اُن کی خدمت اور دلجوئی کا حکم فرماتا ہے:

> ''اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا اور اُن سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور اُن کے آگے عجز و نیاز سے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے اللہ جیسا اُنہوں نے مجھے بچپن میں پرورش کیا ہے تو بھی اُن پر رحمت فرما۔''
> (الاسراء ۲۳۔۲۴)۔

Marfat.com

بڑھاپے میں خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اکثر زیادہ عمر کی وجہ سے انسان بچوں کی طرح نازک اور بے بس ہو جاتا ہے۔ عقل و خرد بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی۔

اور جس کو ہم (اللہ تعالیٰ) بڑی عمر دیتے ہیں تو اسے خلقت میں برعکس کر دیتے ہیں (سورۂ یٰسین ۔ ۶۸)۔

سعادت منداور خوش نصیب وہ ہیں جو ایسی حالت میں والدین کی خدمات سے جی نہیں چراتے۔ اپنی گفتگو میں لہجہ بھی سخت نہیں ہونے دیتے اور پورے ادب و تعظیم کا خیال رکھتے ہیں۔

اسلام نے بڑی عمر اور تجربہ کو اس حد تک احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا کہ امامت اور ریاست کی سرداری کے لیے بھی کبرِ سنی کو وجہ فضیلت قرار دیا۔ یعنی بزرگ قوم کی عظمت کا نشان ہیں۔

احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن کو سب سے زیادہ پڑھتا ہو۔ پھر اگر قرأت میں مساوی درجہ کے افراد ہوں تو سنّت کا عالم امامت کا حق دار ہوگا۔ اگر سُنّت میں بھی برابر ہوں تو ہجرت (ہجرت علامت ہے جدو جہد سخت محنت، تگ و دو، تجربات و مشاہدات وغیرہ) میں مقدم شخص حق دار ہوگا اور اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو اُن میں جو بڑی عمر کا ہوگا وہی منصب امامت کا حق دار قرار پائے گا۔ (مسلم)

بزرگوں کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ فرمانِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ''اللہ تعالیٰ کی عزت و اکرام میں یہ بات شامل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی عزت کی جائے (ابوداؤد)۔

ایک اور حدیث میں بزرگوں کے حقوق کا اِس طرح ذکر ہے'' وہ شخص ہماری جماعت میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق اور رتبہ نہ پہچانے'' (مشکوٰۃ)

بوڑھوں کی عزت اور احترام اور مرتبہ کے تحفظ کی یہ مثال تمام عالم کے کسی بھی اخلاقی نظام میں نہیں پائی جاتی۔

نبی آخر الزّماں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مختلف اسلوب و پیرائے میں نوجوانوں، طاقت وروں کو اپنے بزرگوں اور سن رسیدہ افراد کا ادب اور احترام اور قدر و منزلت ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: ''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کریگا تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دیگا جو اُس وقت اُس کا ادب اور احترام کریں گے (ترمذی)۔

آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ بڑوں کے سامنے غیر ضروری اور بے جا باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ جب کہ اِس طرح کی باتوں سے عام زندگی میں بھی بچنا کردار ساز ہے۔ نرم لہجہ اور خوش خلقی کا اسلام میں بڑا درجہ ہے۔ ''اچھی بات اور درگزر کرنا بہتر ہے، ایسے صدقہ سے جس کے بعد ایذا دی جائے'' (البقرہ۔۲۶۳)۔

یہ تمام اصول و قواعد قوم کی بڑی بیش قیمت پونجی ہیں۔ جو قوم اعلیٰ اور با مقصد نظریات کو فراموش کر دیتی ہے اس کا بقاء مشکل ہو جاتا ہے:

قوتِ فکر و نظر پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

کسی بھی آبادی کو دیکھ کر اُس کے عقائد، نظریات، خیالات، اصول وضوابط کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ کیا ہمارا آج کا معاشرہ اسلامی معاشرہ کی صحیح عکاسی کر رہا ہے۔ کیا ہم اپنے بزرگوں کو اسلامی قاعدوں کے مطابق اُن کا حق دے رہے ہیں۔

تاثرات ومشاہدات گواہ ہیں۔ بظاہر بڑے پڑھے لکھے بظاہر ترقی پسند اور ترقی یافتہ لیکن اصلیت میں تنگ نظر، خودغرض اور زر پرستوں کے گھروں میں ایسے باپ کی پھر بھی کسی حد تک قدر ہے جو تندرست ہے، جس کی پنشن کی کافی رقم آرہی ہے، جس کے وجود سے گھر کی حفاظت اور دوسرے امور میں مدد کے امکانات ہیں لیکن ماں جو اپنی تمام توتیں ولادت، رضاعت اور پھر تربیت کے دوران صرف کر چکی ہے، اب کمزور ناتواں ہے، کسی خاص بڑی آمدنی بھی اُس کے دم سے نہیں ہے۔ اُس کی حالت ناگفتہ بہ ہے عام طور پر۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ماں کا رتبہ باپ کے رتبہ سے تین گنا زیادہ ہے۔

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اُس کی ماں نے اُس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا۔'' (الاحقاف ۔ ۱۵)

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ سب سے سچا اور شدید پیار ماں دیتی ہے اور عورت کا سب سے حسین روپ بھی ماں ہی ہے۔

نبی رحمت (ﷺ) سے کسی نے پوچھا کہ اگر ماں باپ دونوں ایک ساتھ بلائیں اور کوئی حکم دیں تو پہلے کس کے پاس جائیں؟'' فرمایا کہ'' پہلے ماں کی خدمت میں جاؤ اور اُس کا کام کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں'' ایک شخص حضرت محمد مصطفےٰ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ا نے پوچھا'' یارسول اللہ (ﷺ) میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا'' تیری ماں''۔ اُس نے پھر معلوم کیا، پھر کون؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا'' تیری ماں'' اُس نے تیسری بار معلوم کیا، آپ (ﷺ) نے فرمایا'' تیری ماں'' اُس نے چوتھی بار پوچھا، پھر کون؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا'' تیرا باپ''۔

کچھ قوموں میں عمر رسیدہ اور بوڑھے، کمزور افراد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں

Marfat.com

دیکھا جاتا ہے بلکہ اُن کو سماج کا عضوِ معطّل سمجھا جاتا ہے۔ گھر میں اُن کی موجودگی ایک الجھن اور آزادی میں ایک ناپسند بندھن سمجھی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اور دوسرے افراد کی توجہ محبت اور ہمدردی کے بجائے دو میٹھے بول کے لیے ترسنے لگتا ہے۔ خود اپنے ہی محنت و مشقّت سے سینچے ہوئے باغ میں ٹھنڈے سائے کی امید رکھتے ہوئے دھوپ اور گرم آندھیوں میں جھلسنے لگتا ہے۔

جوان اور مضبوط اولاد اور دوسرے متعلقین جو خود بھی بوڑھے ہونے پر بالکل مجبور ہیں کچھ وقت کے لیے بالکل بھول جاتے ہیں کہ وہ لاشعوری طور پر نئی نسلوں کو بزرگوں سے برتاؤ کے سلسلے میں کتنی غلط تربیت دے رہے ہیں اور اپنے مستقبل کو اپنے ہی ہاتھوں تلخ بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اِسی سب کا نتیجہ ہیں آج کے اولڈ ہومس جہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ، قابل لائق بڑے بڑے ماہرِ فن لوگوں کے والدین یا صرف اکیلی ماں یا اکیلا باپ دوسروں کے رحم و کرم پر لاچاری اور مجبوری کی زندگی کے دن کاٹتے ہیں۔ ترستی نگاہیں دروازوں پر بچوں کے دیدار کی تمنا میں دم توڑ دیتی ہیں۔

یہ ہے پُرفریب آج کے الفاظ میں ترقی پسند جدید تہذیب کا ایک رُخ۔ تعلیم سے اگر دماغ کی جلا نہ ہو، کردار میں شائستگی نہ پیدا ہو اور، اخوت اور خدمت کے جذبات نہ اُبھریں تو وہ تعلیم نہیں فریب ہے۔ خود غرضی اور تنگ نظری سے بدامنی کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ انسانی قدریں مجروح ہو رہی ہیں۔

اسلامی تعلیمات کو پھیلانا اور عمل کرنا انسانیت کی بقاء اور سکون و عافیت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسلام کے قدیم بنیادی اصولوں کی آج جدید زندگی کو سخت ضرورت ہے۔ اسلامی قوانین اور طریقت کی یہ عظیم خوبی ہے کہ وہ ہمیشہ تر و تازہ رہتے ہیں۔

........•:0:•........

Marfat.com

''آتنک یا امن''

مذہب اور تہذیب کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ کسی بھی تہذیب و تمدّن کی آراستگی کے لیے مذہبی رنگ لازمی شئے ہے۔ اسلام ایک ایسے مخصوص طرزِ معاشرت اور تہذیب کا نام ہے جس کے اصول اور تعلیمات ہر پہلو سے ذہن انسانی کو جلا بخشتے ہیں۔ اسلام کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ انسان ادہام پرستی اور جہالت کے اندھیروں سے نکل کر اپنے خالق کی طرف سے عطا کیے ہوئے اعلیٰ منصب اور ذمہ داری کو پہچانے۔

هُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط[۱]

ترجمہ: ''وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے بندے پر واضح آیتیں بھیجتا ہے تا کہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے۔''

اسلامی احکام حیات آمیز اور حیات آموز ہیں۔ اِسی لیے رہبانیت کا حکم نہیں ہے نہ یہ امرواجب ہے نہ سنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

وَرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ ٥[۲]

ترجمہ: اور رہبانیت کو اُنہوں نے خود ایجاد کر لیا ہم نے اُس کو اُن پر فرض نہیں کیا۔

اسلام نے تہذیب کے خدوخال، رنگ و روپ متعین کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کا ہر پہلو معاشرہ کی بقاء اور اُس کی امن وآشتی کا ضامن ہے۔

بیسوین صدی کے ترقی پسند سائنسی دور میں ابھی تک اکثر قوموں میں رنگ ونسل اور زبان کے جھگڑے ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے تباہی اور فساد پھیلا ہوا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے نبوت جیسا اعلیٰ منصب بلا تفریق، رنگ ونسک ملک وملّت کے ہر قوم میں عطا فرمایا:

ولِکُل قومٍ ھَادٍ[۳] ترجمہ: اور ہر قوم کے لیے ہدایت کرنے والے آئے

ولِکُلِّ اُمَّۃ رسول[۴] ترجمہ: اور ہر ملّت کے لیے رسول ہوئے۔

مختلف زبانوں اور رنگوں کا ہونا قدرت کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ[۵]

ترجمہ: ''اور اُس کی (اللہ تعالیٰ کی) نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا الگ الگ ہونا۔ اُس میں دانشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ یہ بھی انسان کی برتری اور دوسری مخلوق پر فوقیت کی دلیل ہے کہ وہ بہت سی کئی زبانوں کے بولنے پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ انسان کے علاوہ تمام چرند پرند دنیا کے کسی بھی حصے میں پائے جاتے ہوں وہ محض ایک ہی آواز اور انداز سے آپس میں بول سکتے ہیں۔

یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ صحاح ستہ میں اور مؤطا امام مالکؒ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہو کہ عربی یا اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی زبان پڑھی یا بولی نہ جائے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے متعدد مواقع پر فارسی اور حبشی زبان کے الفاظ بھی بولے ہیں:

عَنْ اُمِّ خَالِدْ بِنْتِ خَالِدْ بِنْ سَعِیْد قَالَتْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ (ﷺ) مَعَ اَبِیْ وَعَلٰی قَمِیْصٌ اَصْفَرُ

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہ (ﷺ) سنَّه سنَّه قَالَ عَبْدُ اللّٰہ بِالْحَبشِیَّة حَسَنه[۶]

ترجمہ: حضرت اُمّ خالد بنتِ خالد بن سعید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی تھی اور میں زرد رنگ کی قمیص پہنے ہوئے تھی تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، ''سنہ سنہ'' حضرت عبداللہ (ابنِ مبارک) رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں۔

''عَن ابی هُرَیْرَه رَضِیَ اللّٰہ عَنْه اَنَّ الْحَسَنَ بِنْ عَلِی اَخَذَ تَمَرةمِنْ تَمَرالصَّدقَه فَجَعَلِهَافِی فَمِه فَقَالَ النَّبی (ﷺ) با لْفَارِسِیَّة کَخْ کَخْ اَمَاتَعْرَفْ اَنَا لَانَاکُلْ الصَّدقَه[۷]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے (بچپن میں) صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ اِس پر نبی کریم (ﷺ) نے فارسی زبان میں فرمایا: ''کخ کخ (یعنی تھوکو) کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراہیم۔۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے تمام رسولوں کو اُن ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ اُن سے بیان کریں۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام الٰہیہ ہر قوم کی زبان میں نازل کیے گئے۔
جاہلانہ حمیت و بغض اور تعصب کو بنیاد بنا کر جنگ کرنا اور فساد پھیلانا قرآنی

Marfat.com

تعلیمات کے خلاف ہے۔قرآن کریم میں ہر ایک کے ساتھ احسان اور انصاف کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ امن قائم رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝ ۸

ترجمہ: اللہ تم کو اُن لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ جن مقامات میں جنگل کٹ گئے اور کٹتے جارہیں وہاں پر بارش کی کمی اور قحط کے مسائل سامنے آرہے ہیں۔سیلاب سے آبادی اُجڑ رہی ہے۔ماحول میں کثافت پھیل رہی ہے کیونکہ درخت کافی حد تک ماحول کی کثافت کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔پیڑوں اور پودوں کی کمی سے زمین بنجر ہوتی جارہی ہے کیونکہ درختوں اور پودوں کی جڑیں آس پاس کی مٹی کو مضبوطی سے جکڑے رہتی ہے، جس کی وجہ سے آندھی اور طوفان کے تھپیڑے مٹی کو اُڑا کر آسانی سے اِدھر اُدھر نہیں لیجا پاتے۔اِس طرح مٹی زرخیز رہتی ہے۔سڑک کے کنارے اور راستوں میں لگے ہوئے پیڑ پودوں سے مسافروں اور جانوروں کو بھی بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔اب اکیسویں صدی کی چوکھٹ پر جب جنگلوں اور دوسرے درختوں کے نہ ہونے کے برے نتائج سر سے گزرنے لگے تب پودے لگانے اور جنگلوں کی حفاظت کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

اِسی ضرورت کو نبی آخر الزّماں حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چودہ سو سال سے بھی

Marfat.com

زیادہ پہلے سمجھایا اور اِس طرح ہدایت فرمائی:

عَنْ اَنَس عَنْ اَلنَّبِی صَلَّیٰ اَللّٰہِ عَلِیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامَنْ مُسْلِمْ یَغْرَسُ غَرْساً اَوْ یَذْرَعُ زَرْعاً فَیَا کُلُ مِنْہُ اِنْسَان اَوْطِیْراً وُبَھِیْمَۃ اِلَّا کَانَتْ لَہُ صَدَقَۃٌ ؀[۹]

ترجمہ: حضرت اَنسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "جو مسلمان درخت لگائے یا کھیتی کرے پھر اُس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا کوئی چوپایا کھاتا ہے تو اُس کو (درخت لگانے والے کو) صدقہ کا ثواب ہوتا ہے۔ اسلام بنجر زمین کو کوشش وکاوش سے زر خیز بنانے کی ہدایت دیتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ مومن محنت سے کمائے اور زمین کو بے کار بنجر نہ ہونے دے اور بنجر زمین کو زرخیز بنانے کی کوشش کرے، اطراف و جوانب کو سرسبز و شاداب رکھے۔

عَنْ جَابِر بِن عَبْدُ اللّٰہ عَنْ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْیٰی اَرْضا مِیْتَۃً فَھِیَ لَہُ ؀[۱۰]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جو مردہ زمین کو زندہ کرے (یعنی زرخیز بنائے) پس وہ اُس کی ہے۔

نادار اور مجبور لوگوں کو جو زمین سے محروم ہیں، حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "(اپنی) زمین کو بدلہ میں یا مفت نفع اُٹھانے کے لیے دے دو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اپنی زمین بے کار پڑی رہنے دے اور دوسرا مجبور ہو کر کام نہ ملنے کی وجہ سے بھکاری بن جائے۔"

عَنْ رَافِعْ بِن خَدِیْج رَضِی اللّٰہ عَنْہُ .قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ (ﷺ) اِذَا کَانَتْ لِاَحدِنَا اَرْضِ اَنْ فَلْیُعْطِیْھَا بِبَعْضِ

Marfat.com

خَـرَاجِهَـا لِذَرَاهِـمْ وَقَـالَ اِذَا كَـانَـتْ لِاَحَدِكُـمْ اَرْضٍ
فَلْيَعْتِيْهَا اَخَاه اَوْلِيَزْرِعُهَا ۝ [۱۱]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''ہم میں سے کوئی شخص اپنی زمین، پیداوار کے کچھ حصے یا داموں کے بدلے دے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تم میں کسی کے پاس زمین ہے، پس تو اپنے بھائی کو تحفہ دے یا کھیتی کے لیے دے۔''

اسلام علمی اور فنّی مذہب ہے۔ انسان کو پاک صاف رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ [۱۲]

ترجمہ: ''اس میں ایسے آدمی ہیں جو پاک وصاف رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف ستھرے رہنے والے کو پسند فرماتا ہے۔''

کچھ قوموں میں عابد ایسے شخص کو سمجھتے ہیں جو دنیا سے بالکل بے گانہ ہو کر نہانے دھونے سے بے پرواہ ہو کر میلا لباس، گندا جسم پراگندہ بالوں کی جٹائیں رکھتا ہو یعنی پاکیزگی کے ابتدائی تصوّرات سے بھی خالی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ لا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ'' [۱۳] کا پیغام دیکر سمجھا دیا: ''اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔''

جسم اور لباس کی پاکیزگی اور روح کی پاکیزگی دونوں لازم ہیں۔ ایک پاکیزہ روح لباس میں گندے جسم اور ناپاک (بغیر کسی سخت مجبوری کے) نہیں رہ سکتی۔

حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نوعِ انسانی کو طہارت جسم ولباس کی وہ اعلیٰ اور مفصل تعلیم دی جو آج اِس زمانے کے مہذّب ترین قوموں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ گندگی سے

Marfat.com

پاک ہونے سے مراد ہر قسم کی نجاست سے پاک ہونا ہے خواہ عقائد اور خیالات کی ہو یا اخلاق اور اعمال کی۔ جسم ولباس اور رہن سہن کے ساتھ گردوپیش سارے معاشرے کی پاکی اور صفائی کی طرف دھیان دینے کا حکم ہوا۔

اکثر وبائی بیماریاں (Viral Diseases) کھلے ہوئے پانی اور کھانے کے کھلے ہوئے برتنوں کی وجہ سے پھیلتی ہیں۔ گرد، دھول، مٹی اور ہوا کے ساتھ دوسری گندگی پڑنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے اور مختلف کیڑے پانی میں آجاتے ہیں جس کو پینے سے بیماریاں پھیلتی ہیں اور کبھی کبھی تو پورے گھر کے لوگ اور پوری پوری بستیاں بیماری کی چپیٹ میں آجاتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی تکلیف کے ساتھ دوسری دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

رسول اللہ (ﷺ) نے کھانے اور پینے کے برتنوں کو ڈھکنے کی ہدایت فرمائی اور تاکید کی۔ جب کہ دوسری قومیں بیسویں صدی کے آخر میں اب اس چیز کی کسی حد تک ٹیلیویژن اور ڈراموں اور ریڈیو کے ذریعہ سکھا رہی ہیں۔ اس سے پہلے اِس قسم کی صفائی کی طرف اُن کو خاص رغبت ہی نہ تھی۔

حدیث نبی کریم (ﷺ):

عَنْ جَابِرُ بِنْ عَبْدَ اللّٰہ (رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ) رَفَعَهُ قَالَ خَمِّرُوْا الْاٰنِیَۃَ وَاَوْکُوْا الْاَسْقِیَۃَ وَاَجِیْفُوا الْاَبْوَابَ وَاکْفِتُوْا صِبْیَانَکُمْ عِنْدَ الْعِشَآءِ ۝ [۱۴]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: برتنوں کو ڈھک دو، پانی کے برتنوں کے منہ بند کردو، دروازوں کو بند کرلو اور اپنے بچوں کو عشاء کے وقت باہر جانے سے روکو (کیونکہ رات کی تاریکیوں میں مختلف خطرات کا اندیشہ وخدشہ زیادہ ہوجاتا ہے)۔

Marfat.com

ہادیٔ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ برتن میں بے دھلا ہاتھ نہ ڈالیں:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَه اَنَّ النَبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ قَالَ اِذَا اِسْتَقِيْظُ اَحِی كُمْ مِنْ نَومَهُ فَلَايَغْمُسْ يَدَهُ فِي اَلاِنَاءِ حَتّٰی يَغْسَلْهَا ثَلَاثاً فَاَنَّهُ لَايَدْرِیَ اِيْنَ بَاتَتْ يَدَهُ٥ [۱۵]

ترجمہ: ’’جناب ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی سو کر اُٹھے تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے جب تک اُس کو تین بار نہ دھولے، پس وہ نہیں جانتا کہ اُس کا ہاتھ کہاں رہا۔‘‘

احادیثِ شریفہ میں راستہ اور سایہ دار جگہوں کو صاف رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے تا کہ راہ گیروں کو آمد و رفت اور آرام کرنے میں دقت نہ ہو۔ آب و ہوا صاف رہے اور ماحول پراگندہ نہ ہو:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةُ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ اَنْ رَسُوْلَ اللّٰه (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ اتَّقُوْا الْاَعْيْنِ قَالُوْا وَمَا الْاَعْيَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰه (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ الَّذِی يَتَخَلّٰی فِی طَرِيْقَ النَّاسَ اَوْفِی ظِلِّهِمْ٥ [۱۶]

ترجمہ: حضرت ابوہُریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ’’تم لعنت کے دو کاموں سے بچو‘‘ لوگوں نے کہا ’’وہ لعنت کے دو کام کیا ہیں؟‘‘ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ’’جو اپنے کو خالی کرتا ہے (رفع حاجت) راستہ میں یا اُن کے سائے (کی جگہ) میں‘‘

حفظانِ صحت اور نظافت کے یہ بہترین اصول ہیں۔ اِنہیں اصولوں کے تحت آپؐ نے دوسری عوامی جگہوں (Public Places) کی صفائی رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ راستہ ایسی جگہ ہے جس پر ہر ایک شخص کی آمد و رفت رہتی ہے۔ ظاہرہ ترقی پسند قوموں نے اب

Marfat.com

جب کہ موحول کی کثافت و پراگندہ (Environmental Pollution) نے بڑی ہوئی شکل اختیار کرلی ہے تب اُن چیزوں کی طرف دھیان دینا شروع کیا ہے۔

اسلامی تعلیم اِس بات میں انفرادیت رکھتی ہے کہ حیاتِ انسانی سے متعلق کوئی بھی گوشہ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے:

عَنْ اَبِی سَعِیْد اَلْخَدرِیْ عَنْ اَلْنَبِیْ (ﷺ) قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْجَلُوْس فِیْ اَلْطُرُقَاتْ قَالُوْیَارَسُوْلَ اللّٰه (ﷺ) مَالَنَا بَلْ مِنْ مَجَالِسُنَا نَتَحَدِثُ فِیْهَا قَالَ رَسُوْلَ اللّٰه (ﷺ) فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلّا الْمَجْلِسُ فَاعَطُوْالْطَرِیْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا مَا حَقَّهٗ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰه (ﷺ) غَضُ اَلْبَصَرْوَکَفُ الْاَذیٰ وَرَدَ الْسَلَامَ وَالْاَمْرِبِالْمَعْرُوْفُ وَالْنَهِیْ عَنِ اَلْمُنْکِرْo[۱۷]

ترجمہ: جناب ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) ہم راستوں میں بیٹھنے کے لیے مجبور ہیں (گھر نہ ہونے یا گھر تنگ ہونے کی وجہ سے) ہم وہاں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا جب تم بیٹھنے کے لیے مجبور ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ راستہ کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''آنکھیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے دور کرنا (اذیت رساں چیز راستہ میں نہ خود ڈالے اور اگر پڑی ہو تو ہٹا دے) لوگوں کے سلام کا جواب دینا بھلی (نیک) باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔

بیسویں صدی کے آخری اور ترقی یافتہ دور میں بھی ذات اور خاندان کی بنیاد پر ایک ہی مذہب کے لوگ اپنے ہی ہم مذہبوں کو طرح طرح کے جور وستم کا شکار بنا رہے ہیں

کیونکہ اُن کی بنیادی تعلیمات میں ہے:۔

''اگر نیچ ذات کا کوئی آدمی اونچی ذات کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی کمر کو آگ سے داغ دو۔ یا اس کے پیچھے کاٹ دو کہ مرنے نہ پائے۔ بھگوان نے شودر کو برہمن کی سیوا کے لیے بنایا ہے۔''[۱۸]

جب شیرازہ بالکل بکھر گیا تب قومی یکجہتی کی باتیں شروع کی گئی ہیں۔ذات پات کے بھید بھاؤ کو مختلف طریقوں سے دور کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔وہ بھی صرف زبانی۔

اسلام میں ذات پات اور خاندان کا کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔نسلی تفریق کی جاہلانہ رسم کو صدہا سال پہلے اِس پیغام کے ذریعہ سے مٹادیا گیا ہے۔

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝

ترجمہ: ''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کی پہچان کرسکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، اور اللہ ہر بات سے بخوبی واقف ہے اور باخبر ہے۔'' (الحجرات:۱۳)

یعنی شرافت کی بنیاد اعمال ہیں۔ اللہ کی فرماں برداری ہے۔اس کا تقویٰ ہے۔ شرافت کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ انسان کس خاندان یا قبیلہ میں پیدا ہوا، کیوں کہ اُس کے پیدا ہونے میں اُس کا کوئی اختیار نہیں۔اختیار اور تمیز کی طاقت عمل میں دی گئی ہے۔اِسی لیے آخرت کے درجات اور بخشش کی بنیاد بھی اعمال ہیں نہ کہ خاندان اور نصب تمام اصحابہ کرامؓ

اور صحابیاتؓ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور کسبِ معاش کے ذرائع بھی مختلف تھے، بڑے بڑے امیر وکبیر بھی تھے اور بہت نادار اور خاک نشیں بھی لیکن تقویٰ اور اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول (ﷺ) کا خاص اہتمام کرنے اور خلقِ خدا کے حقوق اور اپنے فرائض میں امانت داری اور دیانت داری کے باعث اُن کے درجے بلند ہوئے کہ خالقِ کائنات نے اُن کو اپنا پسندیدہ فرمایا، اُن کو خاص اپنا گروہ بتایا:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝[19]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے اُن کا سچا ہونا اُن کے کام آئے گا، اُن کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور خوش ہوا اور وہ اللہ کی رضا پر راضی ہوئے۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

آگے فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝[20]

ترجمہ: اللہ اُن سے خوش ہوا۔ وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یقیناً اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

اسلام نے علم سیکھنے اور سکھانے کی عام ترغیب دلائی ہے، علم کو کسی خاص خاندان اور ذات یا نسل کے لیے نہیں سمجھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم کے لیے فرمایا:

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝[21]

ترجمہ: جو (قرآن کریم) ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

یعنی جو انسان بھی قرآن کریم کی طرف راغب ہو وہ پڑھے اور علم حاصل کرے

کیونکہ ربُّ العٰلمین [۲۲] نے رحمۃ اللعٰلمین [۲۳] محمد مصطفیٰؐ پر قرآن کریم بحیثیت ذِکر للعٰلمین [۲۴] کے اُتارا ہے یعنی تمام جہانوں کے لیے نصیحت۔ جو بھی چاہے پڑھے اور فیض حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن کر اپنی دنیا و دین سدھار سکتا ہے۔ یہ قابلِ قدر اور خیر خواہی کا اندازِ فکر ہے، سیکڑوں سال پہلے کا قائم مستحکم اصول جب کہ دوسری قوموں میں علم کے سیکھنے اور سکھانے کے سلسلے میں اِس طرح کا اندازِ فکر ہے۔

جو شخص شودر کو مذہب اور عبادت کا درس دیتا ہے وہ شودر سمیت دوزخ کا ایندھن بنتا ہے۔ کسی شودر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ پڑھنے لکھنے کا خیال بھی دل میں لائے۔ اگر کوئی شودر چھپ چھپا کر کہیں وید کو سن لے تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔" [۲۵]

اس کے نتیجہ میں علم سمٹ کر ایک طبقہ میں رہ گیا اور اکثریت حرف شناس تک نہ رہی۔ اب جب کہ جہالت اور کم علمی عام ہوگئی تب ہر ایک کو پڑھنے کی دعوت دی جا رہی ہے بلکہ ابھی تو صرف کوشش کی جا رہی ہے۔

ماہ ذی الحجّہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر یومِ عرفہ کو آپ (ﷺ) نے آخری خطبہ میں فرمایا تھا۔

عَنْ مُحَمَّدْ رَضِی اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِیْ بَکْرُذْ کَرَالْنَبِی (ﷺ) قَالَفَاَنْ دَمَآءُ کُمْ وَاَمْوَالُکُمْ قَالَ مُحَمَّدْ وَاَحْسَبَهٗ قَالَوَاَعْرا ضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَذَمَۃَ یَومَکُمْ هٰذا فِیْ شَهَرُکُمْ هٰذَا اَلَّا لِیَبْلَغُ اَلْشَاهِدُ مِنْکُمْ اَلْغَآئِبَ وَکَانَ مُحَمَّدْ یَقُوْلُصَدَق رَسُوْلُ اللّٰهَ (ﷺ) کَانَ ذَالِکَ اَهْلُ بَلَغْتُ مَرَّتِیْن۝ [۲۶]

ترجمہ: حضرت محمدؒ اور ابو بکرؓ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:
''تمہارے خون اور تمہارے مال محمدؒ (جو اِس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں مجھے خیال ہوتا ہے (یہ بھی فرمایا) اور تمہاری آبروئیں تم لوگوں پر ایسے حرام ہیں جیسے اُن کی حُرمت تمہارے اُس دن میں تمہارے اس مہینے میں ہے۔ آگاہ رہو، تم میں سے حاضر کو چاہیے کہ غائب کو پہنچا دے۔ محمد (بن ابی بکرؓ) کہہ رہے تھے، رسول اللہ نے سچ کہا۔ اِسی طرح آپؐ نے دو بار کہا: کیا میںؐ نے پہنچا دیا۔

نبی آخرالزّماں کا یہ پیغام کہ'' حاضر غائب کو پہنچا دے''میں نہ حاضر کے لیے کسی خاندان، نسل اور ذات کی خصوصیت تھی اور غائب کے لیے۔ یہ پیغام عام تھا اور ہے۔

غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ رکھا گیا کہ دس دس بچوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔ [۲۷]

اُن بچوں کو پڑھوانے کے وقت بھی کسی خاندان، نسل اور قبیلہ کو خصوصیت نہیں دی گئی کہ اِس قبیلہ کا یا نسل کا ہو اور اُس کا نہ ہو۔ نہ ہی اساتذہ کے لیے یہ تفریق رکھی گئی کہ فلاں نسل کا آدمی ہی فلاں نسل کے اور فلاں خاندان کے بچے کے ساتھ بیٹھ سکتا ہو۔

کئی قوموں نے ٹھہرے ہوئے پانی اور دریا کے کناروں پر نجاست پھیلانے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا یہاں تک کہ وہ دریا جن کی کچھ نادان عبادت کرتے ہیں اور اُس میں نہا کر اپنے کو تمام گناہوں سے پاک سمجھنے لگتے ہیں وہ بھی گندگی کا ذخیرہ بن گئے کیونکہ ٹھہرے ہوئے پانی یا کسی بھی قسم کے پانی کو صاف رکھنے کے سلسلے میں اُن کے یہاں کوئی دینی اصول وضابطہ ہے ہی نہیں۔

اس زبردست ترقی پسند دور میں ٹھہرے ہوئے پانی اور دریاؤں وغیرہ کا خیال نہ

رکھنے کی وجہ سے ماحول جراثیم زدہ ہوگیا۔ طرح طرح کی پیٹ کی اور دوسری بیماریاں پھیلنے لگیں تب دریاؤں وغیرہ۔ کو صاف رکھنے کی کوششیں شروع ہوئی ہیں۔

اسلامی فقہ کے مطابق راکد یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں خواہ کثیر ہو یا قلیل نجاست ڈالنا منع ہے۔

پانی کی صفائی کے سلسلے میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہدایت فرمائی:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَة عَنِ النَّبِی (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُم فِیْ الْمَاالدَّائمْ ثُمَّ یَغْسَلُ مِنْه۔[۲۸]

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور یہ بھی نہ کرے کہ ایسا کر کے پھر اُسی میں نہائے۔''

جامع ترمذی کی ابواب طہارت کی ایک حدیث میں ہے کہ پانی میں رفع حاجت کے بعد وضو نہ کرے (کیونکہ یہ صحت کے لیے مضر ہے اور اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی)۔

فقہ اسلامی کے مطابق ایسی جگہ نجاست پھینکنا جہاں سے بہہ کر پانی میں چلی جائے مکروہ ہے۔ نہر و تالاب کے کنارے گندگی پھیلانا، یا قبرستان میں یا ایسی جگہ جہاں لوگ وضو یا غسل کرتے ہوں، راستہ میں ہوا کے رُخ پر، سوراخ میں، راستہ کے قریب اور قافلہ یا کسی مجمع کے قریب مکروہ تحریمی ہے۔[۲۹]

قومی اتحاد معاشرے کی قوت اور طاقت کو برقرار رکھنے شاہراہِ ترقی پر گامزن رہنے کے لیے بے حد ضروری ہے آپس میں میل محبت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ''[۳۰]

Marfat.com

ترجمہ: ''مسلمان تو سب بھائی ہیں (اگر ناگواری یا نزع ہو جائے تو) پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو۔'' جب مسلمان اِس فرمانِ الٰہی کے تقاضوں کو خلوص و محبت، حُسنِ تدبّر اور رواداری کے ساتھ پورا کرنے میں کوشاں رہے تب تک ملت متحد اور مضبوط رہی، رعب اور دبدبہ طاری رہا۔ خود غرض اور مفاد پرستی نے ملّی اتحاد کو زخمی کر دیا، قوم کے افراد اپنے اپنے سکھ اور اپنے اپنے دُکھ میں بٹتے جا رہے ہیں۔ شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی فلاح متحد ہونے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِس پیغام کو یاد رکھنے اور عمل میں لانے کی سخت ضرورت ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ [۳۱]

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع (جھگڑا) مت کرو (نہ اپنے امام سے اور نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

عَنْ تَمِيْمَ الدَّارِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدِّيْنَ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَالْاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ ٥ [۳۲]

ترجمہ: تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا، کس کے لیے فرمایا، اللہ کے لیے اور اُس کی کتاب کے لیے اور اُس کے رسول (ﷺ) کے لیے اور مسلمانوں کے حاکموں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے۔

Marfat.com

معاشرے کی فلاح وتوازن کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے ایسا کوئی بھی نفع جو دوسروں کے نقصان پر مبنی ہو اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۝[۳۳]

ترجمہ: ''لوگ آپ سے شراب اور قمار کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ اُن دونوں میں گناہ بہت زیادہ ہے اور فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں اُن کے فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔''

میسر کا اطلاق اُن تمام قسم کے کھیلوں اور کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاقی امور کو کمائی اور قسمت آزمائی اور تقسیم اموال واشیاء کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس میں لاٹری بھی ہے۔ لاٹری کا رواج آج کل اکثر مقامات میں وباء کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ اب اس کے نقصانات کی وجہ سے غور کیا جا رہا ہے، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش میں ریاستی حکومتوں نے اُس پر پابندی لگا دی ہے۔ اسلام کا مالی نظام اتنا مستحکم ہے کہ وہ چیزیں جن کے بارے میں دوسری قوموں نے آج سوچنا شروع کیا ہے اُن کے بارے میں تفصیلی یا اجمالی احکامِ شریعت اسلام میں پہلے ہی سے نافذ ہو چکے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۳۴]

ترجمہ: ''اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کا تیر گندے شیطانی کام ہیں، سو اِن سے بالکل الگ رہو تا کہ تُم کو فلاح ہو۔''

سفارش جس کو آج کل کی عام زبان میں (Source) کہتے ہیں۔ ہر موقع پر داخلہ، عہدہ

چھوٹا ہو یا بڑا غرض کسی بھی اِس قسم کے کام کے لیے لوگ سفارش کی سخت ضرورت محسوس کرتے ہیں۔قرآن کریم دنیا کی ایک واحد مذہبی کتاب ہے جس میں اس مسئلہ کا حل بھی موجود ہے۔

معاملات میں سفارش کرنے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے بشرطیکہ سفارش حق بجانب ہو، قابل اور باصلاحیت محنتی ، ایمان دار اور دیانت دار شخص کی طرف داری میں ہو۔ایسے شخص کی ہو جس سے ذاتی طور پر تجربات کے تحت یہ امید ہو کہ وہ اپنے کام اور ذمّہ داری کو ڈھنگ اور دل چسپی سے انجام دے گا۔اس کی وجہ سے سماج اور قوم کے افراد کو ذاتی اور اجتماعی طور پر فیض پہنچے گا لیکن ایسے شخص کی سفارش جس سے انسانیت کو فائدہ کی جگہ نقصان پہنچنے کا زیادہ امکان ہے یعنی نااہل کی سفارش گناہ ہے۔ایسی سفارش جس کا طریقہ اور مقصد دونوں غیر مشروع ہوں، منع ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ [۳۵]

ترجمہ: ’’جو شخص اچھی سفارش کرے اُس کو اُس کی وجہ سے حصہ ملے گا (اجر وثواب) اور جو شخص بُری سفارش کرتا ہے اُس کو اُس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی طاقت ہر چیز پر محیط ہے۔‘‘

حیاتِ انسانی سے متعلق قرآن کریم اور اُس کی تشریحات وتوضیحات یعنی احادیث شریفہ میں تمام مسائل کے حل موجود ہیں۔اگر اُن کا مطالعہ عقل کا صحیح استعمال کرتے ہوئے غور وفکر اور سمجھ کے ساتھ کیا جائے اور قرأۃ قرآن کریم کا حق ادا کرنے یعنی اس کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے تو منزل مقصود آسان تر ہو جائے گی۔

........•:0:•........

Marfat.com

حواشی

۱ الحدید ۹

۲ الحدید...... ۲۸

۳ الرعد...... ۷

۴ یونس ۴۷

۵ الروم ۲۲

۶ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و السیر باب من تکلم بالفارسیہ و الرطانۃ

۷ صحیح بخاری۔ کتاب الجھاد و الیسر۔ باب من تکلم

۸ الممتحنۃ۔۸

۹ جامع الترمذی۔ ابواب الاحکام۔ باب ماجاء فی فل الغرس

۱۰ جامع الترمذی۔ ابواب الاحکام۔ باب ذکر فی احیاء ارض الموات

۱۱ جامع الترمذی۔ ابواب الاحکام۔ باب ماجاء فی المزارعۃ

۱۲ التوبہ ۱۰۸

۱۳ المدثر:۴و۵

۱۴ صحیح بخاری۔ کتاب بدألخلق

۱۶ صحیح مسلم۔ کتاب الطہارت

۱۷ صحیح مسلم۔ کتاب الطہارت

۱۸ منواسمرتی نواں ادھیائے سنسکرت مع ترجمہ اردو محررہ لالہ سوامی دیال ۱۹۳۶ء مطبع نول کشور۔

Marfat.com

۱۹ المائدہ:۱۱۹

۲۰ المجادلہ:۲۲

۲۱ سورۃ ق:۸

۲۲ الفاتحہ:۱

۲۳ الانبیاء:۱۱۶

۲۴ یوسف:۱۰۴

۲۵ منواسمرتی چوتھا ادھیائے۔

۲۶ صحیح بخاری ۔ کتاب العِلم

۲۷ الرّحیق المختوم: صفی الرّحمٰن مبارك پوری صفحہ ۳۵۷

۲۸ صحیح مسلم کتاب الطہارت باب النہی عن البول فی الماء الراکد

۲۹ علم الفقہ۔محمد عبد الشکور فاروقی بحوالہ مراقی الفلاح صفحہ ۲۹ اورشامی

۳۰ الحجرات:۱۰

۳۱ الانفال:۴۶

۳۲ صحیح بخاری ۔کتاب الایمان

۳۳ البقرہ:۲۱۹

۳۴ مائدہ:۹۰

۳۵ النساء:۸۵

........•:0:•........

Marfat.com

"پُرحیات فکر"

قرآن کریم میں واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جس تک وہ قوم خود ہی اپنی حالت نہ بدلے یعنی کسی انسان یا گروہ کے بننے اور بگڑنے میں اُس کے خیالات، ہمت اور عمل کو بڑا دخل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (الرعد۔۱۱)

ترجمہ: بیشک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو جو کچھ (حاصل) ہے جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری، اکمل اور اٹل قانون ہے۔ اس میں معاشی، سیاسی، سماجی، آداب، سعادت، عروج، ترقی اور نجات کے اصول اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (ابراهیم۔۱)

ترجمہ: ایک کتاب (ہے) اُس کو ہم نے تُم پر اِس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔

اُس نے روزِ اوّل ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ دُنیا میں وہی جنس باقی رہتی ہے جس میں بھلائی ہو اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ زیست کا زرّیں اصول ہے، اتحاد اور حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ؕ (سورۃ آلِ عمران۔۱۰۳)

Marfat.com

ترجمہ: ''اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں مین الفت ڈال دی اور تُم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔''

اسلام میں اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر سوچے سمجھے تعصّب اور بے جا طرف داری کی جائے بلکہ عدل اور انصاف کے ساتھ حق کا ساتھ دینا اور ظلم وزیادتی اور گناہ کا خاتمہ کرنا ہی اسلامی شعار ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ (المائدہ۔۲)

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔

جب تک قوم اسلامی اصولوں پر کار بند رہی، رعب اور اعزاز کے ساتھ غالب رہی۔ آج جس حالت پر پہنچ چکی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمان پھر سے اپنا وہی مقام حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب ہے بلاشبہ کر سکتے ہیں، اگر غور وفکر اور حُسنِ تدبیر سے کام لیں۔ بہادری قوتِ ایمانی سے بڑھتی ہے جس قدر ایمان زیادہ ہوگا اُسی قدر شجاعت اور قوت، ارادہ مضبوط ہوگا۔

بہتر سے بہتر غذاء، پناہ گاہ اور سرد و گرم سے حفاظت کا انتظام تو اپنی اپنی عقل کے حساب سے جانور بھی کرتے ہیں۔ اگر انسان اپنی تمام تر صلاحیت، عقل وشعور اور گراں قدر عمر صرف اُن چیزوں کو حاصل کرنے میں صرف کر دے تو اُس میں اور جانور میں زیادہ فرق نہیں رہتا۔

اِس دور میں مسلمان بمقابلہ غیر مسلِموں کے کم مایہ ہیں لیکن اُن کی ناداری مسلِمین اوّلین کی حد تک تو نہیں پہنچی، آج جس قدر روپیہ مُسلمان اپنے تہواروں، شادی اور غم کے موقعوں پر، لہولعب، نام ونمود اور تماش گاہوں پر صرف کر رہے ہیں، اگر یہی روپیہ اپنی اصلاح اور فلاحِ عام پر خرچ کیا جائے تو یقیناً فتح وکامرانی نصیب ہوگی۔

اس قوم میں لاعلمی اور کم علمی ضرور ایسی چیزیں ہیں جو قدم قدم پر راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں۔ اس کا طفیل ہے کہ آج حال یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں یعنی اللہ کے فرماں بردار اور قرآن کریم کے احکامات اور جناب رسولِ اکرم (ﷺ) کی ہدایات وسنن پر اپنے خاندان اور باپ دادا کے اقوال اور رسم ورواج کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک تو اِس لئے بھیجا ہے کہ تمام پرانی بے اصولی اور نقصان دہ باتوں کو منسوخ کر کے مفید احکام جاری کیے جائیں۔

اللہ رب العزّت نے انسان کو دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور فائدہ اُٹھانے کی پوری اجازت دی ہے لیکن غور وفکر اور عقل وتوازن کے ساتھ۔ اِسی لیے زمین پر جو کچھ ہے اُس پر انسان کو غلبہ دیا اور آسمان تک اُس کی پہنچ اور دسترس کا اشارہ ملتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۝ (لقمٰن۔۲۰)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کے اثر سے فطری صلاحیتیں اور شخصیت کے مختلف پہلو ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ رب العٰلمین نے نیکی کی تعریف کلام پاک میں اِس طرح فرمائی ہے

Marfat.com

"نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور پیغمبروں پر یقین کریں اور مال سے محبت رکھنے کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور اگر دنوں میں (بے گناہ قیدی اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ اپنے عہد کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف دکھ کے وقت ثابت قدم رہیں۔ (البقرہ۔۱۷۷)

انسانیت کی معراج کمال اور منتہائے شرف، خالقِ کائنات کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور رسول (ﷺ) کی غیر مشروط پیروی پر منحصر ہے۔

اگر واقعی مومن ہیں تو حرکتِ قلب ایمان اور خشیتِ الٰہی کی حرارت سے جاری رکھنی ہے۔ پختہ یقین، پاکیزہ خیالات اور نیک اعمال کی کمی سے دل بیمار اور کمزور ہوتا ہے اور روح زخمی ہو جاتی ہے۔

روشن اس ضَو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

(اقبال)

موجودہ حالات پر غور و فکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ آج وقت اِس بات پر نہیں ضائع کرنا چاہیے کہ مرد برتر ہے یا عورت اور کس میں زیادہ صلاحیت ہے اور کس میں کم۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ علم اور صلاحیتوں کا صحیح استعمال کیا جائے۔ حقوق اور فرائض کی پہچان کی جائے۔ مرد اور عورت دونوں مل کر صحت مند فکر و عمل سے ملک و ملت کی نسلوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے روحِ رواں کا کام کریں۔

قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اِس انداز سے دیں کہ امن و آشتی، ملّی اتحاد،

Marfat.com

ملک وقوم کی ترقی اور فرض شناسی جیسے پاکیزہ جذبات سے دماغ روشن ہوں اور دوسروں کو روشنی دینے کے لائق بنیں:

کیوں ہوائے غیر میں تو مست ہے سرشار ہے
اپنا قائد اپنا رستہ اپنی منزل کر تلاش

........•:0:•........

Marfat.com

"خوش پوشی کا اسلامی نظریہ"

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۚ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ (الاعراف:۲۶-۲۷)

ترجمہ: "اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر لباس اُتارا جو تمہارے جسم کو چھپانے کا ذریعہ ہے اور اُس میں تمہارے لیے زینت کا بھی سامان ہے، اور اللہ کے ڈر کا لباس سب سے اچھا ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، شاید لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اے بنی آدم تم کو شیطان فتنہ میں مبتلا نہ کرے جیسا کہ اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، ان سے اُن کے لباس کو اُترواتے ہوئے تاکہ اُنہیں اُن کے اعضاءِ ستر کو دکھا دے۔ ہاں جس طرح وہ اور اُس کے کارندے تم کو دیکھتے ہیں تم ان کو اِس طرح نہیں دیکھتے۔"

یعنی لباس کا مقصد جسم پوشی، حیاء اور زینت ہے۔ عزت اور شرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے انسان حضرت آدمؑ جنت میں بالباس تھے اور زمین پر آنے کے بعد بھی لباس کا اہتمام کرتے رہے۔ اُن کی اولاد کو بھی لباس پہننے کی تلقین کر دی گئی۔ یہ بات غلط ہے کہ تمدن کے آغاز میں انسان سیکڑوں سال بے لباس رہا اور تجربہ کے ہزاروں سال گزارنے کے بعد لباس کا شعور بیدار ہوا۔ تجربہ اور

شعور سے لباس کی نوعیت میں تبدیلی ضرور ہوتی رہی۔ بیچ کے دور میں جب انسان نے تعلیمات کو بھلا دیا اور جہالت کے اندھیرے میں غرق ہونے لگا تب لباس سے عاری ہوا۔

قرآن کریم میں لباس کی تلقین کے ساتھ ساتھ اُس کے مقاصد بھی بیان کیے گئے ہیں یعنی جسم، کی سرد و گرم، گرد و غبّار سے حفاظت اور زیب و زینت، ایسے لباس کی تلقین کی گئی ہے جو محض آرائش و سجاوٹ ہی کا وسیلہ نہ ہو بلکہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور اُس کے ڈر کا نمائندہ اور بندگی کا آئینہ دار ہو کیونکہ شخصیت اور کردار کی بلندی کا معیار تقویٰ ہے۔

حضرتِ آدم اور جنابِ حوّا کے واقعے سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ لباس ہونا اعزاز و عزّت اور نعمتِ ربانی ہے اور بے لباسی شیطان کی پیروی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ○ (الاعراف:۳۳)

ترجمہ: ''کہہ دو کہ میرے رب نے بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی، ایسا ہی اُس نے گناہ اور ناحق سرکشی کو ٹھہرایا ہے۔''

اسلامی شریعت میں استطاعت ہونے پر حسبِ حیثیت اچھا لباس پہننے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اچھے لباس کی خواہش اور استعمال اسلام میں پسندیدہ اور جائز ہے۔

جناب عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رتی برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا۔'' ایک صحابی نے عرض کیا ''کہا ہر ایک آدمی چاہتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو اور اُس کا جوتا اچھا ہو تو کیا یہ گھمنڈ ہے؟'' رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ غرور اور گھمنڈ یہ ہے کہ حق کو ناحق کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔

Marfat.com

غنی ہوتے ہوئے ہمیشہ یا اکثر پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور بدحالی کو اختیار کرنا بھی ناشکری ہے۔اللہ تعالیٰ بُخل کو ناپسند فرماتا ہے اور شُکرانِ نعمت وذِکرِ نعمتِ اِلٰہی کو پسند فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ (النساء:۳۶،۳۷)

ترجمہ: بیشک اللہ تکبّر کرنے والے بڑائی مارنے والے سے محبت نہیں رکھتا جو خود بھی بُخل کریں اور لوگوں کو بھی بُخل سکھائیں اور جو اللہ نے اُن کو عطا فرمایا ہے اپنے فضل سے اسے چھپا چھپا کر رکھیں۔

پروردگار کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے، اُن کا تذکرہ کرنے سے انسان کو ناشکری کرنے کی مہلت نہیں ملتی، احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا۔فساد سے بچتا رہتا ہے اور دِل پُرسکون رہتا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:۱۱)

ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرتے رہا کرو۔

جناب ابوالحسن شاذلی نقش بندی:، امام دار الہجرہ مالک بن اَنس بن مالکؒ وغیرہم اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ لباس پہنتے تھے۔ایک بار نبی کریم (ﷺ) نے بھی قیمتی لباس زیبِ تن فرمایا۔(شمائل رندی)۔

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ (الطلاق:۷)

ترجمہ: صاحبِ وُسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اُس کو ملا ہے اُس کے مطابق خرچ کرے۔

Marfat.com

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب حضورِ اکرم (ﷺ) کوئی کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرّت کے طور پر اس کا نام لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کپڑا عطا فرمایا اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَمَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَہٗ٥ (ترمذی)

ترجمہ: ''اے اللہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور اِس کپڑے کے پہنانے میں تیرا ہی شکر ہے۔ یا اللہ تجھ ہی سے اِس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور اُن مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے اور تجھ ہی سے اِس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اُن چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اُس کے بنائے جانے میں ہوں۔''

خوش لباسی کے مقابلے مسابقت یعنی اچھے عمدہ لباس پہننے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رہنے کی کوشش کرنا اور لباس کی بنیاد پر دوسروں کو کمتر یا برتر سمجھنا اور بغیر سوچے سمجھے کسی وضع یا رواج کو اپنانے میں دوڑ لگانے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اِس لیے کہ یہ مسابقت اپنے اندر بہت سی قباحتیں رکھتی ہے۔ اس سے نمود کے جذبات اُبھرتے ہیں، کبر و غرور اور فخر و مباہات کا پیدا ہونا اغلب ہے۔ خاص طور سے جب کہ دوسروں سے بڑھیا لباس پہننے اور اعلیٰ درجے کا لباس پہننے کی کوشش میں حقِ نفس اور حقوق العباد پامال ہونے لگیں۔

مالی استطاعت ہونے پر یا کم مائیگی کی حالت میں جب اپنی حیثیت سے بڑھ کر اُس غیر شعوری رواج میں پیش پیش رہ کر حصہ لیتے ہیں گھر کے دوسرے افراد کے حقوق نظر انداز ہونے لگتے ہیں۔ ذہنی اور فکری ناگواریاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ وسیع النظری اور حق شناسی کے حسین جذبات مجروح ہونے لگتے ہیں کیونکہ لباس پر بہت زیادہ توجہ دینے کی وجہ

Marfat.com

سے اسراف وتبذیر اور فضول خرچی پیدا ہوتی ہے۔ اخراجات کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اخراجات جو صحت وتندرستی، جسم و دماغ کی قوت و طاقت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھے، پیچھے رہ جاتے ہیں اور صحت کی طرف سے عام بے توجہی ہونے لگتی ہے۔ خوش لباسی کی دَوڑ میں حد سے تجاوز احساسِ کمتری یا احساسِ برتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت معاذ بن اَنس جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے قدرت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے عمدہ لباس ترک کر دیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساری خلقت کے روبرو اس کو بلا کر اختیار عطا فرمائے گا کہ ایمان کے حلّوں میں سے جس حلہ کو چاہے پہن لے۔'' (صحیحین) مومن صرف لباس اور آرائش ہی کو اعزاز کا باعث نہ سمجھیں۔ دولت، لباسِ فاخرہ اور زینت و آرائش ہی اعزاز کا باعث نہیں۔ اچھے افکار وخیالات، صحیح راستہ پر گامزن رہنا، باشعور، صاحبِ کردار دوست بنانا، متوازن اور علم نافع شخصیت کو نکھارنے اور بہتر افضل زندگی بنانے کے لیے لازم ہیں۔

لباس کی کئی قسمیں ہیں، واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام۔ آدمی کو تمام امورِ زندگی کی طرح لباس کے سلسلے میں بھی مستحبات کی طرف رغبت اور مکروہات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ واجب وہ مقدارِ لباس ہے جس سے حکمِ شرعی کے مطابق جسم پوشی کی جائے۔ مندوب وہ ہے جس کے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہے جیسے استطاعت کے مطابق کپڑا پہننا، عیدین اور جمعہ کو مقدور کے حساب سے اچھے کپڑے پہننا اور اگر صاحبِ حیثیت ہے تو عام زندگی میں بھی اچھا لباس پہننا۔ مکروہ وہ لباس ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے مالدار کے لیے یہ پسندیدہ بات نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ یا اکثر پرانے کپڑے

پہنے یا مالدار آدمی اپنے بیوی بچوں کو حیثیت سے کمتر لباس اور غذا کا اہتمام کرے، یہ بھی مکروہ ہے۔ کم مایہ کے لیے مکروہ ہے کہ مانگ کر یا دوسروں کے حقوق پامال کر کے، یا اپنی غذا اور صحت کا خیال نہ رکھتے ہوئے بھوکے رہ کر اچھے عمدہ لباس کا اہتمام رکھنا، مردوں کے لیے بلا عذر ریشم کا کپڑا پہننا بھی جائز نہیں ہے۔

طالبِ علمی کے زمانے میں حسبِ حیثیت معقول اور صاف ستھرا لباس کافی ہے۔ علمی مشاغل، کردار ساز فکر و نظر، شخصیت کو نکھارنے، قدرتی صلاحیتوں کو اُبھارنے اور استوار کرنے، نظامِ تادیب میں مددگار حرکاتؒ و سکنات کی طرف دھیان زیادہ مرکوز رہنا چاہیے۔ ظاہری اور باطنی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی انسان کا جوہر ہے اور اسلامی آداب و احکام کا جزو ہے۔ لباس اعلیٰ درجہ کا ہو یا معمولی، آرام دہ، صاف ستھرا ہونا ضروری ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ○ (البقرہ۔۲۲۲)

ترجمہ: بیشک اللہ پسند فرماتا ہے توبہ کرنے والوں کو (اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں کو) اور پاک و صاف رہنے والوں کو۔

عبادت

عبادت سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوتا کہ اُس سے آخرت میں جنت ملتی ہے بلکہ سچے دل سے عبادت کرنے والوں کے تمام کاموں میں تہذیب، شائستگی اور وقار کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاق و عادات نیک ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور سب کی نگاہ میں اُن کی عزت ہو جاتی ہے۔ خدا اور اُس کی مخلوق سب اُن سے راضی رہتے ہیں۔ سچائی کے ساتھ خدا کو ایک سجدہ کرنے میں جو مزا ہے وہ ہفت اقلیم کی بادشاہت میں نہیں ہے۔

(شیخ محمد عبداللہ)

........:0:........

"یہ مشینی ترقی پسند طرزِ زندگی اور اسوۂ حسنہ"

آدمیوں کی کثرت اور انسانیت داؤ پر لگی ہوئی، ایمان کی قیمت پر شیاطین کی تابع داری، نفسانی خواہشات کے لیے امن وسکون کی قربانی، دولت کے حصول کے لئے اصول کا خون، ذاتی غرض کے لئے عوام کا فائدہ نظر انداز، خود ساختہ قانون کے سامنے فرمانِ الٰہی فراموش، سوائے واحدِ مطلق کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ شئے کے آگے سر جھکا ہوا۔

یہ تھا مختصر حال تقریباً تمام عالم کا ہادیٔ برحق دائیٔ ربانی حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پہلے۔

حقوق انسان پامال ہو رہے تھے۔ ذہنی اور جسمانی قوتیں اور صلاحیتیں، لڑائی جھگڑے اور فکرِ معاش ہی میں صرف ہو جاتی تھیں۔ ظالموں کو بہادر اور نیک وہمدرد کو بزدل سمجھا جاتا تھا۔

انسانوں کو بے راہ روی سے نجات دلانے اور انسانیت کا درس دینے کے لیے رب العلمین نے ۵۷۱ء میں مُلکِ عرب، شہرِ مکہ، پہاڑی ابوقبیس کے پاس محلہ سوق میں جناب عبداللہ بن عامر بن شیبہ (عبدالمطلب) اور بی بی آمنہ بنتِ وھب کے یہاں رحمت اللعالمین نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا۔ آپ کی ولادت باسعادت بیوہ ماں اور دادا کے لیے بے حد خوشی کا باعث ہوئی۔ کچھ اس طرح کی نشانیاں اور واقعات رونما ہوئے کہ آس پاس کے

Marfat.com

سب ہی لوگ آپ کو دوسرے بچوں سے مختلف اور بابرکت سمجھنے لگے۔

قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو دیکھ کر نبیٔ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے۔قوم کی فکر آپؐ کی زندگی کی جز بن گئی تھی۔۶۱۰ ماہِ رمضان المبارک وقت رات، شبِ قدر آپکو نبوّت کے عظیم عہدے سے سرفراز فرمایا گیا۔ مالکِ کائنات نے آپؐ کو وہ کتاب عطا فرمائی جو تمام عالموں کے لیے نصیحت ہے: ذکرٌ للعٰلمین (سورۃ تکویر: ۲۷)

آپؐ نبی آخر الزّماں ہیں۔آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپؐ کی تعلیمات قیامت تک کے لیے ہیں۔آپؐ کا دَور رہتی دنیا تک ہے۔

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر ''یعنی سلسلۂ نبوت آپؐ پر ختم ہوا'' (سورۃ الاحزاب۔۴۰)

سورۃ الاعراف میں فرمایا'' (اے محمدؐ) کہہ دے کہ اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں۔(الاعراف۔۱۵۸)۔

بچپن سے نبوت عطا ہونے تک آپؐ کا کردار، اخلاق و عادات، خدمتِ خلق، حیاداری اور حقوق و فرائض کا توازن، امانت و دیانت داری تمام عرب اور اُس کے اطراف و جوانب میں مشہور ہو چکے تھے۔آپؐ کی قوم نے آپ کو صادق و امین جیسے پاکیزہ القاب سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔آپؐ اُمّی تھے۔حرف شناس نہیں تھے۔علیم و خبیر نے آپؐ کو علوم کا خزانہ عطا فرمایا۔

توحید کی تعلیم نے بکھرے ہوؤں کو جوڑ دیا۔آدمی نے اپنا اصلی مقام پہچانا۔نبی کریمؐ کی سیرتِ طیبہ رہتی دنیا تک نمونۂ عمل قرار پائی۔

''تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھا نمونہ ہے۔اس شخص کو جسے اللہ اور

Marfat.com

قیامت کے دن کی امید ہے۔(الاحزاب۔۲۱)

آپ کا رتبہ اتنا بلند ہوا کہ اللہ ربُّ العزت نے فرمایا

''اور ہم نے تمہارا ذِکر بلند کردیا'' الانشراح۔۴

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے عقل وشعور کو جِلا نصیب ہوتی ہے، اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اتباع لازم قرار دیدیا ہے۔

''(اے محمدؐ) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری (محمدؐ کی) پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔''(آل عمران۔۳۱)

آپؐ کی سیرت کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے اوہام پرستی اور جہالت کے اندھیروں سے نکالنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گیے اعلیٰ منصب اور ذمّہ داری کو پہچاننا، شریعت محمدی نے جینے کے آداب سکھائے اور معاشرہ کے امن وسکون کو بحال کیا۔ اسلام کے ذریعہ دنیا میں حسین انقلاب برپا ہوا۔''ایک کتاب (قرآن کریم) اس کو تم پر اِس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔'' (ابراہیم۔۱)

احمد مجتبیٰؐ کی بعثت کے تین اہم مقاصد ہیں: پہلا تلاوتِ قرآن کریم یعنی الفاظ اور معنی کو پڑھنا۔ دوسرا مقصدِ تعلیم یعنی غور وخوض کرنا اور حکمت وعمل، تیسرا مقصد ہے: تزکیہ، ظاہری اور باطنی پاکی، کفر وشرک، غیر اللہ پر بھروسہ، اعتقادِ فاسدہ، حسد اور تکبّر، بغض و عداوت اور دنیا کی بے جا محبت سے پاکی۔

قرآن کریم اور احادیثِ شریفہ کے مطابق عِلم وہ ہے جس سے انسانیت بیدار ہو، شخصیت میں نکھار پیدا ہو۔ مل جل کر رہنے کی صلاحیت نصیب ہو۔

Marfat.com

شریعتِ محمدی تا قیامت قابلِ عمل ہے۔ دورِ جہالت کے اِس فکر کو ملیا میٹ کرنا کہ دو یا پار میں کیا ایمان ہے، کیا بے ایمانی؟ اس کا کچھ دخل نہیں اور سیاست اور مذہب اور کو الگ کرنے والوں کو راہ دکھانا بھی شریعتِ محمدیؐ کا اہم مقصد ہے۔

جناب نبی آخرالزّماں کی صدق دل سے اطاعت کرنے والی قوم ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل۔ کر انسانیت اور علوم وفنون کے عروج پر پہنچی۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اُس وقت کے طرزِ حیات میں اور آج کی مشینی، ترقی پسند اور نہایت مصروف زندگی میں اسوہ حسنہ کا اتباع کس حد تک ممکن ہے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے موجودہ دور کے مسائل کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔

علومِ وفنون تحقیقات اور ہمہ جہت ترقی کا دور ہے۔ اکیسویں صدی کی آمد ہے، رنگ، نسل، زبان، ذات اور خطہ ارض پر جھگڑوں اور فساد کی کثرت ہے۔ قومی یکجہتی کے بڑے چرچے ہیں لیکن تفریق زوروں پر ہے۔

نبی کریمؐ کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہو کہ عربی یا اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی زبان پڑھی یا بولی نہ جائے، بلکہ تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ آپؐ نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت سے فرمایا تھا "یہود کی زبان سیکھو تا کہ خط وکتابت میں آسانی رہے۔" کیونکہ زید بن ثابت آپؐ کے خطوط بھی لکھتے تھے۔

قرآن کریم میں زبان کے مسئلہ کا حل اِس طرح ہے۔ "اور اِس کی (اللہ تعالیٰ کی) نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا الگ الگ ہونا اس میں دانشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔ (الروم۔۲۲)

حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محفلوں میں جناب بلال حبشیؓ اور حسین وجمیل

صہیب رومیؓ، سردارانِ قریش اور مساکین و نادار سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔

آپؐ نے اٹھارہ سال کے اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو جنگِ یمامہ کے لیے سپہ سالار منتخب کیا۔ عرب، ایران، روم اور ہندوستان کی تاریخ میں یہ اسلامی اتحاد اور قومی یکجہتی کی عظیم مثال تھی۔ غلام کا بیٹا اور سپہ سالار لوگ حیران تھے۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہر قوم کی زبان میں نازل کیے گئے۔

''اور ہم نے تمام رسولوں کو اُنہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ اُن سے بیان کریں'' (ابراھیم۔۴)

بغض، ذاتی عداوت، تعصب اور جاہلانہ حمیت کو بنیاد بنا کر جنگ کرنا اور فساد پھیلانا شریعتِ محمدی کے خلاف ہے۔

''اللہ تم کو اُن لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' (الممتحنہ۔۸)۔

کچھ قوموں کا مذہب کہتا ہے کہ علم سیکھنا اور سکھانا صرف ایک ہی طبقہ کا حق ہے باقی کے لیے حکم یہ ہے۔

''جو شخص شودر کو مذہب اور عبادت کا درس دیتا ہے وہ شودر سمیت دوزخ کا ایندھن بنتا ہے۔ کسی شودر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ پڑھنے لکھنے کا خیال بھی دل میں لائے۔ اگر کوئی شودر چھپ کر وید کو سن لے تو اُس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔'' (منواسمرتی ادھیائے۔۴)

نبی رحمتؐ کے مطابق ''علم سیکھنا ہر مسلم اور مسلمہ پر لازم ہے۔'' بلا کسی تفریق کے آپؐ کی سیرت قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے (صحیح بخاری)۔

Marfat.com

(قرآن کریم)۔"ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔"(سورۃ ق۔۸)۔

آج لاٹری اور سٹے کا بڑا زور ہے۔ بہت سے لوگ برباد ہو چکے ہیں اس کے چکر میں جو کچھ تھا وہ گنواں بیٹھے اور لگاتار لاٹری کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اِس کی وجہ سے چوری اور دوسری برائیاں بھی کرنے لگے ہیں۔

طریقِ احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق ایسا کوئی بھی نفع جو دوسروں کے نقصان پر مبنی ہو اُس کو جائز قرار نہیں دیتا۔

"اے ایمان والو! شراب، جوا اور پانسے ناپاک عمل ہیں۔ اِن سے بچو تا کہ فلاح پاؤ"(المائدہ۔۹۰)۔

آج نشہ کی وجہ سے بڑی تباہی برپا ہے۔ بچے ننگے بھوکے، گھر میں لڑائی جھگڑا، نسل علم کی روشنی سے دور اور باپ نشے میں چور۔

شریعتِ محمدیؐ واحد شریعت ہے۔تمام موجودہ مذاہب میں جس کے مطابق ہر قسم کی نشہ آور شے حرام ہے اور نشہ کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔

اِس دور میں سفارش کا بڑا چرچہ ہے۔لوگ سفارش کے لیے سرگرداں ہیں۔ کچھ لوگوں کا سفارش کرنا کاروبار سا بن گیا ہے، کیش کا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف کچھ اشخاص اِس امر سے بالکل الگ رہتے ہیں۔ وہ سفارش کسی بھی طرح کرنا ہی نہیں چاہتے۔

اِس وقت سفارش کے اصول بتانے والی کتاب صرف قرآن کریم ہے اور آپؐ نے ہمیشہ ہر حال میں قرآن کریم کے مطابق عمل کیا۔

فرمانِ اِلٰہی ہے۔"جو شخص اچھی سفارش کرے اُس کو اِس کی وجہ سے (اچھا)

Marfat.com

حصہ ملے گا اور جو شخص بُری سفارش کرتا ہے اُس کو اُس کی وجہ سے (برا) حصہ ملے گا اور اللہ کی طاقت ہر چیز پر محیط ہے۔" (النساء۔۸۵)۔

یعنی معاملات میں سفارش کی اجازت دی گئی ہے بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے بشرطیکہ سفارش حق بجانب ہو۔ قابل، باصلاحیت، محنتی، ایمان دار، امانت دار اور دیانت دار کے حق میں کی گئی ہو۔ اِس کی وجہ سے معاشرہ مُلک وِملّت کو فائدہ پہنچے گا۔ نا اہل کی بد دیانتی کی سفارش گناہ ہے۔

فضاء مکدر نہ ہو، اِس لیے آپؐ نے اطراف وجوانب، راستہ، عوامی مقامات، جسم اور لباس کی صفائی کی ترغیب دی۔ ماخوز از صحیح مسلم کتاب الطہارت۔

حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ "جو مسلم درخت لگائے یا کھیتی کرے اور اُس میں سے کوئی چرند، پرند یا انسان کھائے تو اُس کو (درخت لگانے والے کو) صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (جامع ترمذی۔ احکام)

آپؐ نے فرمایا: "تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے دور کرنا، نگاہ نیچی رکھنا، سلام کا جواب دینا اور بھلی باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا، راستہ کا حق ہے۔" (جامع ترمذی)

اسلامی فقہ کے مطابق دریاؤں، نہروں وغیرہ میں گندگی ڈالنا مکروہ تحریمی ہے۔ (علم الفقہ)

اکثر وبائی بیماریاں کھلے ہوئے پانی، بغیر ڈھکے برتن اور کھانے اور غیر صاف شدہ ہاتھوں سے پھیلتی ہیں۔ کچھ مذاہب میں اِس سلسلے میں کوئی اصول پیش نہیں کیے گیے۔ اب اُن چیزوں کی تعلیم ابتدائی انداز میں دی جا رہی ہے۔

قرآن کریم کا فرمان ہے "اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔"

Marfat.com

المدثر ۔۵

قرآن کریم کی وضاحت عملی تفسیر یعنی رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے ”جب تم میں سے کوئی سو کر اُٹھے تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے جب تک تین بار نہ دھو لے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارت)۔

فرمانِ رسول اللہ (ﷺ) ہے ”برتنوں کو ڈھک دو، پانی کے برتنوں کے منہ بند کر دو، دروازوں کو بند کرلو اور اپنے بچوں کو عشاء کے وقت باہر جانے سے روکو“ (صحیح بخاری کتاب بداء الخلق)۔

نبی رحمتؐ کی بعثت سے پہلے عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔ زمین، مال اور جائداد کی قدر و قیمت اُس سے کہیں زیادہ سمجھی جاتی تھی ۔ آج بھی کسی کسی سماج میں یہی حال ہے اور غیر شعور ناشائستہ قوموں کے رسم و رواج اور ناکارہ اصولوں سے متأثر مسلمان بھی کچھ ایسا ہی کرر ہے ہیں ۔ جب تک ایمان و عمل کی طاقت رہی، اثر ڈالتے رہے ۔ اب عقائد و اعمال کی کمی کی وجہ سے عقل ناقص ہوتی جا رہی ہے ۔ بجائے اثر دار ہونے کے اثر پذیر ہو رہے ہیں ۔ اُس وقت یہ حال اسوۂ رسولؐ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے ۔

اسلام سے قبل عورت کا شعار ہر قیمت پر مرد کی کمال تعبیداری سمجھا جاتا تھا ۔ سینٹ پال کے نزدیک عورت کو یہ حق نہ تھا کہ وہ کسی کو کچھ سکھائے اور مرد سے حکماً کچھ کہے ۔

کتاب مقدس (بائبل) عورت کو موت سے زیادہ تلخ قرار دیتی ہے ۔

ایک اور قوم تو خواتین کے سلسلے میں کہتی ہے کہ عورت خواہ بچی ہو یا جوان ہو یا بوڑھی ہو، ہر حال میں کوئی بھی کام خود مختاری سے نہ کرے ۔ (منو اسمرتی ادھیائے ۔ ۵)

تلسی داس جی کے مطابق عورت کا مقام یہ ہے:

Marfat.com

شودر گنوار پشو اوم ناری

یہ سب تاڑن کے ادھیکاری

اِسی طرح اطالوی کہاوت تھی کہ گھوڑا، اچھا ہو یا برا، اسے مہمیز کی ضرورت ہے لیکن عورت چاہے اچھی ہو یا بری اُسے مار کی ضرورت ہے۔

نبیؐ اکرم حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ''عورتیں مردوں کی جنس ہیں۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

آپؐ نے فرمایا: ''عورتیں شیشہ کی طرح نازک ہیں، یعنی اُن کا خیال رکھا جائے۔ (ماخوذ از سیرت اِبنِ ہشام)۔

ہندو اور عیسائی مذہب کے مطابق گھریلو حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہوں، عورت اپنے شوہر سے (مکت) الگ نہیں ہوسکتی۔ یعنی مذہب طلاق کی اجازت دیتا ہی نہیں، آج کل جو قانون ہے وہ ۱۹۸۵ کے بعد کا ہے وہ بھی ابھی پورے طور پر لاگو نہیں ہے۔ مرد عورت کے رشتہ سے مکت ہوجاتا ہے لیکن عورت شوہر کے مرنے کے بعد بھی مکت نہیں ہوتی۔

آج بیسویں صدی کے اختتام پر اقوامِ عالم میں عورتوں کے حقوق اور گرل چائیلڈ کا مسئلہ بڑا گرم ہے۔

اب سے چودہ سو سال سے زیادہ پہلے فرمانِ اِلٰہی اس طرح نازل ہوا تھا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۝ (البقرہ۔۲۲۸)۔

ترجمہ: اور اُن کے لیے (عورتوں کے لیے) اِسی طرح ہے بھلائی کے ساتھ جتنا (حق) اُن پر ہے۔

Marfat.com

آپؐ نے بیوی کا درجہ اتنا بڑھایا ''تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں اور اپنے اہل وعیال سے لطف ومہربانی کا سلوک کرتے ہیں۔'' (مشکوۃ)

ناپسندیدہ اور ظالم شوہر سے الگ ہونے کے لیے اسلام نے عورت کو خلع اور فسخ نکاح کے حقوق دیئے ہیں۔ (ماخوذ از البقرہ اور النساء)۔

طلاق شدہ اور بیوہ عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے (سورۃ النور)

قرآن کریم میں لڑکی کی ولادت کے سلسلے میں لفظِ خوشخبری آیا ہے۔ (النحل۔۵۸)

نبی آخر الزّماں حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے فرمایا: ''شوہر دیدہ عورت کا نکاح اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک مشورہ نہ لے لیا جائے اور کنواری کا نکاح بھی اُس کی اجازت لے کر کیا جائے (بخاری)۔

شریعتِ محمدی (ﷺ) کے مطابق مرد اور عورت دونوں کا نصب العین ایک ہے ۔دونوں کو مراعات حاصل ہیں۔ یہ قدرت کی حکمت ہے جس سے جیسا کام لینا تھا اُسی کے حساب سے قوت اور جذبات عطا کیے ہیں۔

طرح طرح کے من مانے طور طریقوں اور نفسانی خواہشات کی غلامی میں سماجی احساسات، جذبات اور رشتوں کو مجروح کر کے اب انسانی حقوق کا خیال آیا ہے اور بڑے بحث ومباحثے ہو رہے ہیں۔

اگر رشتوں اور دوسرے انسانوں کے حقوق کی اہمیت قرآن کریم اور اسوہ حسنہ کے حساب سے سمجھتے اور عمل کرتے تو آج یہ تفریق اور انتشار رونما نہ ہوتا۔ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں، مسافروں، ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والوں اور

راہ چلتوں ہر ایک کے حقوق کی حفاظت فرمائی۔ سب کے حقوق ادا کیے اور اُمت کو انسانی حقوق کی ادائیگی کے اسلسلے میں تاکید فرمائی کیونکہ حکمِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسائیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور رفقائے پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو۔'' (احسان یعنی بہترین سلوک) (النساء۔۳۶)۔

آج حقوقِ انسان پر تحریر و تقریر کی دھوم ہے اور عام انسان کے لیے حسرت کی زندگی۔ حال یہ ہے کہ لوگ دھاک جمانے کے لیے کروڑوں روپے پھونکتے جارہے ہیں۔ آج ضرورت ہے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی ترقی کی۔ توکل علی اللہ کی علم و حکمت اور عمل سے خود اعتمادی نصیب ہوتی ہے۔

ضرورت ہے قرآن کریم اور اُس کی تشریح اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنے خیالات، اخلاق و اعمال سے اپنے کو مزین کرنے کی جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنما ہیں۔ انکی پیروی میں ہی راحت و سکون کے تصور کو تعبیر نصیب ہوگی:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝ (النور۔۵۲)

ترجمہ: ''اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کریگا اور اللہ سے ڈریگا اور پرہیزگار ہوگا، پس وہی لوگ کامیاب ہونگے۔''

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

........•:0:•........

Marfat.com

"فلسطین میں اسرائیلی مظالم اور عالمِ اسلام"

بیت المقدس کا مسئلہ چونکہ مسلمانوں سے وابستہ ہے اس لیے یہ نہ صرف فلسطین کا بلکہ عالمِ اسلام کا مسئلہ ہے۔ حق و باطل اور کفر و اسلام کا مسئلہ ہے۔ اس سرزمین سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی نسبت قائم ہے۔ شعائرِ اسلام میں جہاں بیت اللہ کا ایک بلند و فائق مقام ہے وہیں بیت المقدس بھی ایک عظیم شعیرہ ہے اور ہر مومن پر شعائر اللہ کی عزّت و احترام واجب اور ضروری ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، اُنہوں نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "مسجدِ حرام"، میں نے پوچھا، پھر کون سی؟ آپؐ نے فرمایا: "مسجدِ اَقصیٰ"۔ اس شہر کو مدینۃ اللہ کہتے ہیں۔ فتح اسلامی کے بعد اِسے بیت المقدس کا لقب ملا۔ ویسے اِس سرزمین کو مدینۃ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں تک اسرائیل کے مفہوم کا تعلق ہے تو لفظ 'اسرائیل' کے معنی عبداللہ کے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو یہ لقب عطا کیا تھا (سورۂ مریم۔ ۵۸)۔

بنی اسرائیل کا اصل دین بھی اسلام ہی تھا۔ یہود، حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودہ کا لقب تھا اور یہودہ کی نسل کے غلبہ سے یہود کا اطلاق ہوا۔ غیر شائستہ روایات اور خود ساختہ اصولوں کو مذہب کی بنیاد بنا کر اسرائیل قوم کا تنزّل یہودیت سے شروع ہوا۔ عہد عتیق باب۔۳، ۱، ۷ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی جنگ کا عین مقصد ملک گیری ہی ہے۔

Marfat.com

ایک ملک کے کمزور وناتواں باشندوں کو طاقت وتلوار کے زور سے مغلوب کر کے اُن کے املاک واموال کو اپنے قبضہ میں لے لیناوراثتِ ارضی کا اُن کے یہاں یہی مفہوم ہے، حالانکہ قرآن کریم نے وراثتِ ارضی کے مفہوم کو اِس طرح بیان کیا ہے،''زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے۔''(الانبیاء۱۰۵)۔

اگر یہود قوم کی جنگی، مذہبی، بنیادی اور عملی تعلیمات پرغور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مقابلہ آرا قوم کو تمام انسانی حقوق ومراعات سے محروم وپسپہ کر دیناہی اُس کا نصب العین ہے جیسا کہ عہدِ عتیق باب حدود جنگ میں مرقوم ہے:

''اگر صلح ہے تب خراج اور ساری قوم خدمت کرے، اگر جنگ ہے تو ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں، مواشی، بچوں کو اور جو کچھ بھی شہر میں ہے اس کو لے لے اور کسی چیز کو بھی جو سانس لیتی ہے نہ چھوڑ، باغوں کو کاٹ ڈالو، بستیوں کو تباہ کردو، بتوں، مذبحوں کو ڈھادو، ہرے درخت کے نیچے مٹادے۔ باب (٦) میں عہد باندھنے کو منع کیا ہے جب کہ اُن بچوں کو مارنے کا حکم ہے جو لڑکے ہیں۔''

(عہدِ عتیق باب حدود جنگ۔۲۰،۱۰،۱۴)

آج غاصب اسرائیلی قوم فلسطینی مسلمانوں پر اُسی اصول وفرمان کے تحت ظلم وستم کررہی ہے اور آئے دن اُس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

۱۸۸۰ء سے یہود دھیرے دھیرے آباد ہونے لگے، پھر یہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد صیہونی نوآبادیات کی راہیں ہموار کی گئیں۔

۱۹۴۷ء میں یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ میں زیر بحث آیا اور وہاں اس مقدس سرزمین کو یہودیوں اور عربوں میں تقسیم کرنے کا ظالمانہ اور غیر منصفانہ فیصلہ ہوا۔ اس تقسیم میں فلسطین

Marfat.com

کا ۵۵ فی صد رقبہ یہود کو اور ۴۵ فی صد عرب کو ملا حالانکہ آبادی کے لحاظ سے یہود عرب کے مقابلے بہت ہی کم تھے یعنی اُس وقت یہود فقط ۳۳ فیصد تھے اور عرب ۶۶ فیصد تھے۔

اِس غیر منصفانہ فیصلے کے باوجود بھی اسرائیل، فلسطینی مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے رہے اور مزید علاقوں پر قبضے شروع کر دیئے۔ ۱۹۴۸ء تک فلسطین کے بڑے بڑے علاقے اور القدس کے مغربی حصہ پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد جون ۱۹۶۷ء میں فلسطین اور القدس پر یہودیوں کا تسلّط قائم ہو گیا۔ ۹ر اپریل ۱۹۴۸ء میں یاسین پر کیے گیے مظاہر نہایت ہی بھیانک، حقوق کو پامال کرنے اور درندگی کی ناگفتہ بہ مثال تھی، فلسطین مردوں، عورتوں اور بچوں کا بڑی بے رحمی و بے دردی سے قتل کیا گیا۔ اُس وقت اسرائیلی خواتین اور دوشیزاؤں نے جو جلوس نکالا وہ انسانیت سے اِس حد تک گری ہوئی تھی کہ کوئی بھی ستودہ صفت بشر یا محض آدمیت کا جذبہ اپنے دل میں رکھنے والے آدمی کو اپنے منہ سے ادا کرنا بھی مشکل ہے۔ ۱۲ر مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیلی ریاست کے قیام کا باضابطہ اعلان ہوا، امریکہ، روس نے اس پر اپنی مہر ثبت کی، باوجود اِس کے غاصبانہ قبضہ کے اور مظالم بڑھتے ہی رہے۔ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور دوسرے مغربی ممالک اُسرائیل کا ہر طرح سے تعاون کرتے رہے، ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۷ء میں حقوقِ انسانی کا موجد کہلانے والے یہ ممالک اور خصوصاً اقوامِ متحدہ جو زندہ لاش کی شکل میں اِس وقت موجود ہے اور خود اپنے ہی تأفن سے جن کا دم گھٹ رہا ہے۔ اُن ممالک میں آج بھی لوگ نسلی امتیاز اور تفریق کا شکار ہو رہے ہیں (ذی نیوز ۲۸ر نومبر، ۲۰۰۱)۔

۱۹ سال کے اندر امریکہ نے اسرائیل کو ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کی مالی امداد فراہم کی۔ مغربی جرمنی ۲۸ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر اور دنیا بھر کے یہودیوں نے بلاخوف وخطر ۲ر

Marfat.com

ارب ڈالر سے زیادہ چندے اکٹھا کر کے اسرائیل کو مضبوط کیا اور حقوقِ انسانی کا راگ الاپنے والا اقوام متحدہ حد درجہ جانب داری سے کام لیتا رہا مگر فلسطین کے لئے کوئی تدارک نہ کر سکا۔

اسرائیل کو اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکہ ہر طرح سے اُن کے ساتھ ہے اِس لیے اُس نے بلا خوف وخطر یہ اعلان کر دیا کہ اگر اقوامِ متحدہ کے ۱۲۲ ممبروں میں ۱۲۱ کا فیصلہ بھی اُس کے خلاف اور صرف تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی رہ جائے گا تب بھی ہم اپنے مفتوحہ علاقوں سے نہیں نکلیں گے۔

۱۹۶۷ء میں جنگ سے ہفتہ روز قبل امریکی فوج کے جوائنٹ چیف آف اسٹاف کے صدر جنرل ویلر نے صدر جانسن کو اطمینان دلایا تھا کہ اگر اسرائیل بڑھ کر پہلے ایک کامیاب ہوائی حملہ کر دے تو زیادہ سے زیادہ تین دن میں عربوں کو مار لیگا۔ اِس پر بھی اطمینان نہ ہوا تو پھر سی.آئی.اے. کے چیف ہیلمس سے رپورٹ طلب کی اور روس سے رجوع کر کے اطمینان حاصل کیا۔ یہود کے منصوبہ کے کچھ اجزاء یہ ہیں: (۱) مسجدِ اقصیٰ اور رقبہ صخرہ کو ڈھا کر ہیکلِ سلیمانی پھر سے تعمیر کیا جائے (۲) پورے علاقہ پر قبضہ کیا جائے۔ اِسی لیے اقصیٰ کو ڈھانے کے بجائے تمہیداً پہلے اُس میں آگ لگائی گئی۔ اسرائیل نے اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ کیے ہیں "اے اسرائیل! تیری سرحد نیل سے فراط تک ہے۔" یہ اکیلی قوم ہے جس نے بے جا قبضہ کا اس طرح اعلان کیا ہے۔ اسرائیل نے اپنے منصوبوں کے مطابق ۱۹۹۶ء میں لبنان پر جارحیت کا مظاہرہ کیا جس پر دنیا نے کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی اقوامِ متحدہ کی پاس کردہ اُس کی قرارداد کو کوئی اہمیت دی گئی۔ اس حملے میں سرکاری اطلاع کے مطابق ۱۰۲ فلسطینی مجاہد شہید ہوئے اور سیکڑوں زخمی، اپاہج اور بے گھر اور نہ جانے کتنے جیلوں میں مقید، حقوقِ انسانی سے محروم بہیمی فطرت کا شکار بنے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ میجر جنرل فریکلن کیمری نے رپورٹ دی تھی اور کہا تھا کہ یہ حملہ اسرائیل نے جان بوجھ کر کیا تھا، یہ قرارداد ۸ رمئی ۱۹۹۶ء کو یو.این.او. کے سامنے رکھی گئی اور نظر انداز بھی کی گئی۔

اسرائیلی وزارت مذاہب اور اسرائیلی محکمہ اثار نے ۱۹۸۷ء سرنگ کھودنے کے منصوبہ کا انکشاف کیا اور ۲۰ رستمبر ۱۹۹۶ء میں یہودی حکومت کے زیرِ اہتمام ایک خصوصی اجلاس میں طے پایا کہ ۲۴ رمئی ستمبر ۱۹۹۶ء بروز دوشنبہ ''القدس'' کے حرم کے نیچے سے نئی سُرنگ کھودی جائے گی۔ ان سرنگوں اور کھدائیوں کا مطلب ہے ''القدس'' کے آثار و نشانات کو یکسر مٹا کر حرم کے نیچے نام نہاد یہودی آثار وعلامات کی تحقیق وتلاش خاص طور پر ہیکل کی تلاش، اس سلسلے میں فلسطینیوں کے بنیادی انسانی حقوق کا ادنیٰ سا بھی لحاظ رکھے بغیر کام جاری ہے۔

اتھیوپیا، کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا اور دیگر یورپی ممالک کے یہودی مستقل ہجرت کر کے فلسطین کی سرزمین پر قبضہ کر کے آباد ہو رہے ہیں، یہودی آبادکاری ایجنسی کے صدر مسالی بریڈور نے بتایا کہ گزشتہ دس سالوں کے دوران تقریباً دس لاکھ یہودی دنیا کے مختلف حصوں سے آکر اسرائیل میں آباد ہو چکے ہیں۔

۱۲ رستمبر ۲۰۰۱ء لبنان کے شہر بیروت پر حملہ کیا اور غزہ پٹی کے اسپتال کو اسرائیلی فوجوں نے تباہ و برباد کر کے حقوقِ انسانی کو حد درجہ پامال کرنے کی ایک اور مثال قائم کی تاکہ زخمی مجاہدین اپنے ہی وطن میں علاج کی سہولت سے محروم ہو جائیں۔

فلسطینی بچے اپنے بچپن کو بھول کر زندگی کی مختلف الجھنوں میں گرفتار ہیں۔ زخمیوں کو لے جاتی ہوئی ایمبولینس کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ اس طرح سے اسرائیلی

فوجیوں کے جنگی جرائم بے لگام ہو رہے ہیں (PTV، BBC اور ہند کا ٹی.وی چینل ''آج تک'' نے اس خبر کی تصدیق کی ہے)۔

آج حالت یہ ہوگئی ہے کہ حق داروں کو، راہِ مستقیم پر چلنے والوں کو، فاسد لوگ ہی مفسِد ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں یعنی انسانیت سے گرنے کی تازہ مثال خود ہی قائم کر رہے ہیں۔ اب تو یہ پہچان بھی یکسر نہ رہی کہ اعلیٰ اصول، قاعدے اور معتدل راہ کیا ہے، بہتر اور بدتر میں کیا تفاوت ہے۔ ظلم کرنا اور ظلم سہتے رہنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

لَاتَظْلِمُونَ وَلَاتُظْلَمُونُ (سورۃُ البقرہ ۲۷۹)۔

اب سننے اور سوچنے سے ایک قدم آگے بڑھکر جدو جہد کرنے کا وقت آچکا ہے۔ عالمِ اسلام کی وقت اور طاقت دہشت گردوں، مفسِدوں اور فساد پسند عناصروں اور یہود کے خلاف شعائر اللہ اور کسی بھی جگہ کے مظلوموں کی حمایت اور مدد کیلیے عالمی سطح پر مجتمع ہو جائیں تو ظالم کو سرنگوں ہونا ہی پڑے گا۔ بین الاقوامی سازش کا مقابلہ تنہا کسی ملک یا قوم کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہر ایک اپنی صلاحیت اور استطاعت کے دائرہ کے حساب سے کَلِمَۃُ اللّٰہ کو بلند کرنے میں کوشاں ہو۔ آپسی جھگڑے، رجعت پسندی اور بھیڑ چال ترقی پسندی کی کشمکش سے باہر آکر ہی گمراہ کن پروپیگنڈوں کو چکنا چور کیا جا سکتا ہے فرقہ پرستی اور مسلکی گروہ بندی سے اوپر اُٹھنے ہی میں حیات وفلاح ہے۔ یہی انسانیت کی پہچان ہے۔

''وَاعْتَصِمُوْبِحَبْلِ اللّٰہ جَمِیعًاوَّلَاتَفَرَّقُوا○'' (آل عمران)

ترجمہ: ''اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا''۔

یقینِ محکم، پختہ عزم واستقامت زندہ قوموں کے صفات ہیں۔ اِن خوبیوں کے ساتھ ساتھ آج عالمِ اسلام کو ہوش گوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

ولاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۝ (آلِ عمران)

ترجمہ: ''اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کھاؤ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومنِ کامل ہو۔

اگر مسلمانوں میں یقینِ کامل کی وہ صفت پیدا ہو جائے تو یقیناً کامیابی، کامرانی اس کے قدم چومے گی اور ساری دنیا اُس کی غلامی کرنے پر مجبور ہو جائے گی مگر اس کے لیے ایمان کے ساتھ عمل پیہم اور اتحاد و اتفاق کے اصلوں کو اپنی زیست میں داخل کرنا ہو گا تب ہی کامیابی کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام پر سر بلندی نصیب ہو گی۔

یقیں محکم عمل پیہم محبّت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(علامہ اقبال)

........:0:........

Marfat.com

”طریقۂ تدریس اور قرآن کریم“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور علم سے نواز کر اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ (البقرہ:۳۱)

ترجمہ: ”اور علم دیا (اللہ تعالیٰ نے) آدمؑ کو کل چیزوں کے اسماء کا پھر اُن کو فرشتوں کے روبرو کیا۔“

یعنی علم سکھانے کے ساتھ ساتھ اُس کے اظہار کی قوت بھی عنایت کی اور تمام مخلوق پر فضیلت و فوقیت کا تحفہ عطا کیا۔

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ: ”اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے اُن کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور عمدہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے اُن کو بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔“

انسان کی تخلیق کی ابتداء سے ہی علاّم الغیوب، علیم و خبیر نے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع فرمایا۔ پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی یعنی انسانیت کے لیے پہلے استاد تھے اور اِسی طرح اپنی کتب اور صحیفوں سے بھی برابر نوازتا رہا یعنی عِلم کا مواد بھی مہیا ہوتا رہا۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کا سلسلہ رحمۃ للعلمین رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ختم فرمایا اور ربّ العلمین نے کتبِ سماوی کا سلسلہ ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ[1] یعنی قرآن کریم پر ختم فرمایا۔

تمام انبیاء علیہم السلام انسانوں کے لیے قدرت کی طرف سے مقرر کردہ اساتذہ

---

[1] قرآن کریم کو ذکر للعلمین سورۂ یوسف آیت:۱۰۴ اور انعام آیت:۹۱ میں کہا گیا ہے، یعنی تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

تھے اور اُن کی اہم ترین ذِمّہ داری انسانوں کو صحیح راستہ پر لانا تھی۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر انبیا کو تعلیم وتدریس کے جو طریقے بتائے گیے ہیں اور علماء کی ذمہ داری جو قرآن کریم میں بتائی گئی ہے وہی قرآنی طریق تدریس ہے۔

لفظِ قرآن کے معنی ہی پڑھنے کے ہے:

اِن علینا جَمعَهٗ وَقُراٰنَه فَاِذاقَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعُ قُرآنَهٗ ○ (القیامہ:۱۷،۱۸)

ترجمہ: ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھوا دینا، تو جب ہم اُس کو پڑھیں تو آپ اُس کے تابع ہو جایا کیجیے۔

قرآن کریم کے مطابق اہلِ علم کے درجات بلند ہیں:

وَلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ○ (المجادلہ:۱۱)

ترجمہ: اور جن کو علم دیا گیا اُن کے درجات ہیں۔

استاد اپنی شخصیت کو علم وعمل، یقین و اعتماد کی صفات سے متصف کریں تا کہ نصیحت اور بات با اثر اور پُر تاثیر ہو۔ شاگرد کے دل میں خود بخود احترام پیدا ہو۔ اہلِ کتاب کے علماء کو نصیحت کی گئی تھی:

وَلٰکِنۡ کُوۡنُوۡرَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡکِتٰبَ وَبِمَا کُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ○
(آلِ عمران:۷۹)

ترجمہ: ''تم لوگ اللہ والے بن جاؤ (احکامِ اِلٰہی کے پابند) کیونکہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اِس کے پڑھتے ہو۔''

حضورِ اکرم (ﷺ) کو حکم ہوا کہ اپنے کنبے والوں کو ڈرائیں:

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ○ (الشعراء:۲۱۴) (اور اپنے کنبے والوں کو ڈراؤ)

Marfat.com

مطلب یہ ہوا کہ استاد اپنے گھر والوں کی تہذیب و تادیب کا بھی پورا خیال رکھیں تا کہ استاد کی تعلیم اور اُس کے گھر میں تضاد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو ہدایت فرمائی کہ فرعون سے نرمی سے بات کریں، راہِ راست پر لانے کی کوشش میں:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

پس اُس سے نرمی سے بات کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑے اور ڈرے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ طلباء کے ساتھ اُن کی نفسیات اور حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے نرمی سے کام لیا جائے تا کہ اسکا ذوقِ سلیم پروان چڑھے اور نصیحت ٹھنڈے دل سے سنی جا سکے۔ سہولتیں اور خدمات مہیّا کی جائیں تا کہ اُن کے دل میں علم سے محبت اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا ہو۔

آخرالزّماں نبی کریم محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۝ (ق: ۴۵)

ترجمہ: ”اور تو اُن پر زبردست (سختی کرنے والا) نہیں ہے۔“

اللہ علیم و خبیر کے سکھائے ہوئے اس طریقہ تعلیم کے مطابق رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے لوگوں کو نرمی، محبت اور شفقت کے ساتھ تعلیم دی۔ آسانی کا خیال رکھا اور خوش خبری دینے پر زور دیا۔ اندازِ تعلیم ایجابی اور مثبت ہو نہ کہ منفی۔ ایسی گفتگو یا اندازِ تکلم زیادہ اثر دار ہوتا ہے۔

استاد ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اندھیرے دور ہونے کی امید اور راہ نظر آنے کی توقع ہوتی ہے۔ نذیر و بشیر دونوں کے فرائض انجام دیتے ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ بھلائی اختیار کرنے اور محنت و عمل کے نتیجہ میں خوش خبری دیں اور ایسا نہ کرنے پر بُرے انجام سے ڈرائیں:

عَنْ اَنَس عَنْ اَلنَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا وَ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا ٥ (صحیح بخاری کتاب العلم۔ باب۔۵۳)

ترجمہ: حضرت اُنس رضی اللہ عنہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''آسانی کرو اور سختی نہ کرو، خوش خبری دو اور (زیادہ تر ڈرا کر) اُنہیں متنفر نہ کرو''۔

اللہ ربُّ العزّت نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم فرمایا کہ: ناسازگار حالات میں تحمّل و برداشت سے کام لیں اور مقصد پر جمے رہیں۔ رحم و ہمدردی کے جذبات قوی تر رکھیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں کسی اہم ترین کام یا مہم کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں اور مومنین کو بھی اِسی امر کی تلقین کی گئی ہے:

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ٥ (ھود:۱۱۵)

ترجمہ: ''اور صبر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ٥ (البلد:۱۷)

ترجمہ: ''برداشت کرنے (مقصد پر جمے رہنے) صبر کرنے اور رحم کرنے کی نصیحت کرتے رہو''

استاد کو کچھ ناسمجھ اور بے شعور شاگردوں کی شرارتیں بھی برداشت کرنی ہوتی ہیں اُن باتوں سے پریشان ہو کر مقصد سے نہ ہٹیں برداشت کرنے کی قوت کو یکجا کریں اور طلباء کو بھی راہ پر گامزن رہنے میں جو دشواریاں پیش آئیں اُن کو برداشت کریں اور رحم و ہمدردی کے جذبات کی تلقین کریں۔

عِلم وہ ہے جس سے شخصیت میں نکھار پیدا ہو۔ عالم وہ شخص ہے جس کے کردار و

Marfat.com

عمل صاف شفاف ہوں، فرض کی ادائیگی عہدے اور سربراہ کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرتا ہو:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (الشعراء:۸۳)

ترجمہ: ''اے رب مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔''

اگر استاد میں مندرجہ بالا خوبیاں نہیں تو اُس کا عِلم لاش پر ستھرے کفن کی مانند ہے یا بیمار و ناتواں لاغر جسم پر حسین چوغہ، جس کی حالت یہ ہے پہننے والے کی ناکارہ شخصیت کی وجہ سے چوغہ کا حُسن مدھم پڑ گیا ہو۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ۝ (الجمعہ۔۵)

ترجمہ: ''جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر اُنہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔''

استاد مصلح قوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ استاد کی باعظمت شخصیت، مدبّر، مجتہد اور مجاہد کی سی ہے۔ اِسی لیے اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے عزم وہمت کے کام بھی انجام دینے ہوتے ہیں۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمٰن:۱۷)

ترجمہ: ''اور اچھے کاموں کا حکم کر اور بُرے کاموں سے منع کرو (اِس سلسلے میں) جو تکلیف پہنچے اُس پر صبر کر، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

عبادات کی تکرار نمازوں میں پانچ بار، روزہ ہر سال تیس یا انتیس دن، زکوٰۃ

Marfat.com

صاحبِ نصاب پر مال کی موجودگی میں ہر سال حج، مالدار پر جس کو سفر وغیرہ کی سہولت ہو، ایک بار فرض ہے مگر جتنے حج ہوں باعثِ ثواب ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیمی نصاب کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ دہرانے سے ذہن نشین ہونے میں مدد ملتی ہے۔

قرآن کریم میں معلمِ انسانیت نبی کریم (ﷺ) کے دین سکھانے کا طریقہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

(آلِ عمران:۱۶۴)[1]

ترجمہ: مومنین پر اللہ کا احسان ہے جب اُس نے بھیجا اُن ہی میں کا ایک رسول جو پڑھتا ہے اُن کے لیے آیات اور تزکیہ کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت۔

استاد و قوم کی بالائی سطح سے تعلق رکھتا ہے جتنا بلند مقام ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ استاد کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ کلاس میں نوٹس بول دیں، کتاب یا سلپ نکال کر تختِ سیاہ پر لکھ دیں یا کاربن کاپی کو کافی سمجھ لیں یا صرف بلند خوانی ہی پر اکتفا کر لیں بلکہ اُن کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ طلباء کے اندر پاکیزہ اوصاف و خصائل پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ خداداد صلاحیتوں کو اُبھارنے میں اور نکتہ شناس بنانے میں کوشاں ہوں۔ امتیاز اور اختیار اصابت رائے اور قوتِ ارادی کو کام میں لانا سکھائیں۔ جاہلانہ وساوس اور اوہام سے دور رہنے اور ظاہری و باطنی نجاست سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرماتے رہیں۔ مساوات برتیں۔

تاریخی واقعات اور متعلقہ موجودہ حالات سے آگاہی دیں، حکمت اور بصیرت کی

[1] یہی مضمون سورۃ البقرہ آیت ۱۲۹ اور سورۃ الجمعہ آیت ۲ میں بھی ہے۔

Marfat.com

صلاحیت بیدار کرتے رہیں:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (الاعراف:۱۷۶)

ترجمہ:''اور واقعات بیان کرو تا کہ وہ غور کریں۔''

ذہن اور عقل کی کشادگی اور معلومات بہم پہنچانے کے مقصد سے قرآن کریم میں مشاہدات اور تعلیمی سفر کی ترغیب دی گئی ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (یونس:۱۰۱)

ترجمہ:''کہو کہ مشاہدہ کرو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔''

میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں کائنات (Space) میں سفر کرکے معلومات کرنا اور اُن پر غور وفکر کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے اور قرآن کریم دنیا کی واحد مذہبی کتاب ہے جس میں یہ علم دیا گیا ہے۔(وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) مشاہدۂ قدرت معرفتِ الٰہی کا راستہ ہے گر انسان عقل کا صحیح استعمال کرے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ٥

(سورۃ انعام:۱۱)

ترجمہ:''زمین میں چلو پھرو، دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔''

ایسا استاد جس کی وجہ سے ماحول میں سُدھار پیدا ہو اور سدھرے ہوئے لوگ راہِ راست پر مضبوطی سے قائم رہیں، انسانیت کے لیے بیش بہا دولت ہے اور نعمتِ عُظمیٰ ہے۔ ایسا استاد جس کے کردار و عمل اور غیر ذمہ داری و لاشعوری کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہو یا کسی طرح کا سدھار نہ ہو وہ مردہ لاش کی طرح ہے۔ کئی بار لوگوں کو کہتے سنا ہے: فلاں صاحب شراب پیتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں یا کوئی اور خرابی ہے تو وہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔ ایسی کوئی بھی صفت

Marfat.com

سماج پر بُرا اثر ڈالتی ہے جس کا ذکر بھی برا کہ اُس کی وجہ سے ماحول مکدر ہونے کا ڈر ہے، وہ ذاتی معاملہ نہیں۔ ایسا شخص میری رائے میں قوم کی حمایت پانے کے لائق نہیں ہے، محض روٹی کمانے کے لیے ہے۔ روٹی ہر ایک کو کمانی ہے۔ وہ بھی کماتا ہے۔

اکھڑ، بدمزاج اور غیر مہذّب طلباء کو بھٹکنے کے لیے نہ چھوڑیں بلکہ اُن کی اصلاح اور فلاح کے لیے بھی حد بھر کوشش کی جائے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا۝ (النساء:۶۳)

ترجمہ: ''سو درگزر کر جایا کر اور اُن کو نصیحت کرتا رہ اور اُن کی ذات کے لیے اچھی بات کہہ دیا کر۔''

سہل، عام فہم الفاظ، صاف اور سشتہ آواز اور ٹھہرے ہوئے انداز میں پڑھانے کا حکم اِس طرح ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۝ (سورۃ مزمل:۴) ترجمہ: ''اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔''

قوم کے فرض شناس اساتذہ کی حیثیت اِس طرح ہے کہ گویا وہ ہری بھری تر و تازہ کھیتیاں ہیں جن کو دیکھنے سے تراوٹ آتی ہے۔ اُن کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے دل و دماغ کو راحت اور قوت ملتی ہے۔ فکر و نظر کو جلا نصیب ہوتی ہے۔

مِلّت کے ہر فرد کے فکر و عمل کے مجموعہ کا نام تحریک ہے اور یہی صحت مند اور باشعور تحریک قوم میں روح پھونک دیتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (الرّعد:۱۱)

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔''

Marfat.com

محنت، ایمانداری اور دیانت داری سے کام کرنا خود انسان کی اپنی ذات، متعلقین اور ملک و ملّت سبھی کے لیے نفع بخش ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کسی کی اُس کے پیچھے بے لاگ پُر خلوص تعریف بہت بڑا انعام ہے۔ ایسے استاد کا طلباء پر رعب رہتا ہے اور نصیحت جذب ہونے کی قوت دوسروں کو روشن کرنے کی طاقت رکھتی ہے اور یہ چراغ ملک و ملّت کو آب و تاب بخشنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

........•:0:•........

Marfat.com

"الفاروق کی دورِجدید میں معنویت"

"الفاروق" پڑھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ اسلامی تہذیب کا عہد ماضی انسانی تمدّن کا بہترین دور تھا، اگر آئندہ بھی انسانی تہذیب ترقی کی منزلوں تک پہنچنا چاہتی ہے تو کامیابی اُسی وقت نصیب ہوگی جب وہ فکری اور عملی طور پر لوٹ کر ماضی کی پُر وقاراور روشن ماحول، اعلیٰ کردار، خوفِ خدا، راسخ العقیدہ، اعمال صالحہ اور اسلام کے اصولوں پر گامزن ہوں گے۔

علومِ جدید، صنعت وحرفت وغیرہ سے فیض اُٹھاتے ہوئے اسلامی حمیۃ کو زندہ رکھنا اور اعلیٰ مقاصد پر بے خوف ڈٹے رہنا مسلم کی شان ہے۔

ترقی جذباتِ صالحہ پر منحصر ہے۔ صالح جذبات جب بھی موجزن ہو جائیں اور جب تک زندہ رہیں ترقی اور مِلّت کی عزت، رعب اور دبدبہ باقی رہتا ہے۔

جب ترقی کا معیار گر جاتا ہے، ترقی کے معنی صرف دولت عیش اور تفریح کے بڑے پیمانے پر انتظامات ہوجاتے ہیں تو کوئی بھی قوم ہو وہ کنگال ہو جاتی ہے۔

سچائی پاک بازی، بہادری، امانت داری، دیانت داری، بے خوفی، بلند ہمّتی، عزت واعزاز، فتوحات، اثر ڈالنے کی قوت قوم کی فکر اور خدمتِ خلق کے جذبات جیسی عزیم دولتوں سے محروم ہو جاتی ہے اور صرف دولت کے چکرویو میں الجھ کر ہر ایک قسم کی خرابیوں میں ملوّث ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج اِس کی مثال دیکھنا بہت آسان ہے۔

"الفاروق" کو پڑھ کر ایک اہم نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ قدیم اصولوں، تعلیماتِ حالات اور کیفیات کو جدید سے متعلق کر کے پیش کرنا بھی اہم ضرورت ہے۔

Marfat.com

مولانا شبلی نے ''الفاروق'' ۱۸۹۶ء میں لکھنی شروع کی۔ ۱۸۹۹ء میں علی گڑھ کالج سے فراغت کے بعد مکمّل ہوئی۔ اُس وقت آپ علیل تھے۔ آپنے اپنے ملک ہندوستان کے کتب خانوں کے علاوہ مصر، روم، شام اور عرب وغیرہ کے کتب خانوں سے بھی فیض حاصل کیا۔ نہایت محنت، کوشش وکاوش اور احتیاط کے ساتھ ''الفاروق'' لکھی۔

آج کے نظام سیاست، معاشرت، معاشی، انفرادی اور اجتماعی کیفیات کے لیے خاص طور سے بہت اہم ہے۔ عہدِ فاروقی اسلامی نظام قرآن وسنّتِ رسولؐ کا آئینہ دار ہے۔

''الفاروق'' فاروق اعظم عُمر بن خطابؓ کی حیات، اسلامی تہذیب وتمدّن اور اسلامی تاریخ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ الفاروق کا ترکی ترجمہ استنبول سے شائع ہو چکا ہے۔ انگریزی، ملیالم، پشتو اور مالاباری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

مسلمانوں نے قرآن کریم، اسوہ حسنہ اور اسلاف کے طرزِ حیات سے اپنے کو دور کر کے اور غیر کی نقل بے شعوری طور پر کرتے رہنے سے انسانیت کا بڑا نقصان کیا۔ ملتِ اسلامیہ کے ساتھ دوسرے مذاہب کو ماننے والوں کا بھی نقصان ہوا۔ کیونکہ عملی طور پر بہترین طرزِ زندگی کے نمونے عام طور سے نہیں ملتے جن کی وجہ سے اکثر لوگ اپنا طور طریقہ شعوری اور لاشعوری طور پر سدھارتے رہتے تھے۔

''الفاروق'' میں امیر المؤمنین فاروقِ اعظم عمر ابن خطابؓ کی شخصیت کی تین منزلیں ہیں: ۱۔ بلند پُر وقار شخصیت، ۲۔ اعلیٰ کردار ۳۔ عظیم ترین نظامِ حکومت۔

علامہ شبلی نعمانی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ ''میں اپنی تصنیفات میں ''الفاروق'' کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ قوم کے نشاۃِ ثانیہ کے لیے ''الفاروق'' کو نصابِ تعلیم میں داخل کرنا اور نتیجہ اخذ کرنے کی قوت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے جاہ و جلال سے قیصر و کسریٰ کے دلوں میں کپکپی ہو جاتی تھی، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ صاحبِ فراست خلیفہ اور اُن کے مسلم ساتھی دشمنانِ اسلام سے بہترین سلوک بھی روا رکھتے ہیں لیکن بے انصافی اور حق تلفی نہ کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی بھی بے جا اور نا مناسب قدم اکھاڑ کر پھینکے بغیر دم نہیں لے سکتے۔

جس کے عدل و انصاف کی ترازو میں کافر مسلم غیر اور اپنا خاص عزیز۔ شاہ و گدا، اہلِ زبان غیر زبان، اپنے وطن کا یا دوسرے مقام کا سب برابر تھے۔ اپنے بیٹے عبد الرحمٰن یعنی ابو شحمہ کو شراب پینے کی سزا میں درّے لگائے جب کہ آج کے ترقی پسند دور میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ناکارہ وزیروں اور دوسرے لیڈروں جن کو راہ نما کہنے اور لکھنے کو دل اور قلم آمادہ بھی نہیں ہوتے۔ اُن کے بھائی اور بیٹوں کے ساتھ سیکڑوں دوسرے بے اہمیت ظالم پروان چڑھ رہے ہیں اور قانونی کاروائی سے بچے رہتے ہیں۔ اس کے گواہ بھی آج کل کے اخبار، ریڈیو، ٹی. وی. اور دوسرے ذرائع ابلاغ ہیں۔

وقت ضرورت سخت گیری کے ساتھ انکساری کا یہ عالم تھا کہ جس وقت آپؐ شام پہنچے، غلام کا اور حضرت عمر فاروقؓ کا ایک سا لباس تھا۔ منزل بہ منزل باری باری اونٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے جب آپؐ وہاں پہنچے تو اونٹ کی مہار آپ پکڑے ہوئے تھے اور غلام اونٹ پر سوار تھا۔

امیر المؤمنین کے پاس ایک عیسائی تاجر آیا اور کہا کہ میں آپ کے عاشر زیاد بن جدیرؓ کو ایک ہزار روپیہ دے چکا ہوں۔ درمیان سال میں اسی گھوڑے کو لیکر گزرنے پر اور طلبی ہے۔ آپؐ نے کہا ''بس کافی ہے۔'' تاجر نے سوچا سنوائی نہیں ہوئی اور چپ چاپ چلا گیا۔ مقام پر پہنچا تو پتہ چلا خلیفہ کا فرمان پہنچ چکا تھا کہ ایک ہی مال پر سال میں دو بار عشرہ نہ لیا

Marfat.com

جائیگا۔نصرانی اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔آپؓ کے انتظام اور سیاسی نکتہ رسی نے تمام عالم کو متاثر کر دیا تھا۔

مولانا شبلی کی کتاب ''الفاروق'' کے دو حصے ہیں ۔ حصہ اول میں حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی کے حالات اور حصہ دوم میں امیر المؤمنین کا عہدِ خلافت ۔

مولانا شبلی نے بہترین کارنامے اُن بزگوں کے متعلق لکھے ہیں جن کے طور طریقوں اور آدابِ زندگی کو اپنانے میں انسانیت پروان چڑھتی ہے۔

فاروق اعظم کے مزاج میں سختی تھی لیکن خوفِ خدا اور اسلام سے محبت کا یہ عالم تھا کہ کلمہ طیبہ یا قرآن کریم کی آیات سنتے ہی چہرے کا رنگ تغیر ہو جاتا تھا، اللہ کے ڈر سے پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔اُنؓ کے کچھ احکام قدماء کی کتابوں میں کم ہیں۔متاخرین نے مزید رنگ دے کر زیادہ لکھے ہیں۔ تعصب میں ڈوب کر روایتیں بیان کی گئی ہیں (الفاروق۔۱۷)۔

علامہ شبلی کی نظر میں بہت سے احکام انتظامی نظریہ اور مصلحت کے تحت تھے۔ حضورِ اکرم (ﷺ) کی وفات کے بعد خلیفہ کا انتخاب مورّخین اور آج بھی کچھ فرقوں کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے جب کہ یہ اصول کہ سربراہ قوم کے بعد فوراً انتخاب کر لیا جائے اور کسی نہ کسی کی سربراہی کا اعلان ہو جائے، ملک و ملّت کو بہت سے خطرات سے دوچار ہونے سے بچالیتا ہے۔یہ اصول آج بھی بین الاقوامی یعنی عالمی سطح پر مقبول ہے۔

مولانا شبلی نے اصولِ خلافت اور مسئلہ انتخاب کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر اہم تھا۔اس کی وجہ سے انتشار پھیلنے سے بچ گیا۔اِس انتخاب میں نسلی فخر اور مباہات کی حِس بھی بیدار نہ ہوئی۔

Marfat.com

مولانا شبلی نے اپنے جدید طریق مطالعہ سے حضرت عمرؓ کی دس سال چھ مہینہ کی معاشرت، انتظامات، ملکی، علمی، مذہبی، ادبی زندگی کے مفصّل پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ صحیح تاریخ صرف جنگوں اور لڑائیوں کا نام نہیں ہے بلکہ اصل تاریخ تہذیبِ انسانی کا دوسرا نام ہے۔

علاّمہ شبلی کا مقصد اصلاحی تھا اور ''الفاروق'' لکھ کر آپ نے مستشرقین کے زہر آلود تیروں سے اسلام پر کیے گیے حملوں کا جواب دیا ہے۔

زبان عالمانہ اور محققانہ ہے۔ منصفیانہ اندازِ بیان ہے۔ کسی بات کو سطحی طور پر نہیں کرتے۔ دلائل، اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں جاتا۔ ۹۹۔۱۸۹۶ء کا دور بڑا آزمائش کا دور تھا۔ ''الفاروق'' لکھ کر ثابت کر دیا، قلم نِڈر اور صرف اللہ کی راہ میں رواں دواں تھا۔ عبارت میں روانی کے ساتھ متانت و وقار برابر جھلکتا ہے۔

قوم سے احساسِ کمتری کو دور کرنا بھی ایک اہم مقصد تھا۔ آپ قوم کے اندر جوش اور ولولہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ سر سید احمد خاں سے مولانا شبلی کا اختلاف نظریاتی تھا۔ قدیم و جدید کا سنگم بنانا چاہتے تھے۔

فلسفیانہ ذہن اور معقول تربیت نے اُن کے اسلوب کو نکھار دیا تھا۔ تشریح اور توضیح کا صاف اور سادہ طریقہ ہے۔ ''الفاروق'' میں سادہ واقعہ نگاری اور کامل طور پر غیر جانب داری سے کام لیا ہے۔ مسلمانوں کے سوئے ہوئے جذبات کو جگا دینا چاہتے تھے۔

الفاروق کے خاتمے میں حضرت عمرؓ کے رعب اور دبدبہ کا موازنہ کس اختصار سے کیا لیکن اُن کے چند جملوں نے زور پیدا کر دیا۔ ''سکندر اور تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب اُن کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمرؓ فاروق کے سفرِ شام میں سواری کے

Marfat.com

ایک اونٹ کے سوا کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غُل پڑا تھا کہ مرکزِ اسلام جنبش میں آ گیا۔

مدلل مداحی اور مورّخانہ غیر جانب داری ساتھ ساتھ ہیں۔

فلسفۂ تاریخ اور سلسلۂ اسباب کے بارے میں شبلی لکھتے ہیں ''میں نے اِس کتاب میں اسباب وعلل کے دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ ''الفاروق'' ج۔۲، ص۔۲۲۔

فتوحات کی تفصیل سوئے ہوئے ضمیر کو جگانے اور روح کو بیدار کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ روم اور فارس باوجود فنونِ جنگ اور سامان سے مالا مال تھے پھر بھی شکست خوردہ ہوئے، وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمانوں میں جوشِ ایمان نے برقی قوت پیدا کر دی تھی۔ موت سے بے خوفی نے مقابلہ کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لیے ہمت بُلند کر دی تھی۔ دین کے مقابلہ دنیا بے حقیقت تھی۔

اسلامی اخوت، دیانت داری، راست بازی، حُسنِ معاملہ دشمن کے ساتھ بھی اچھا سلوک جیسی خوبیوں نے سیسہ کی دیوار کی طرح منظّم و مربوط کر دیا تھا۔ آج اُن خوبیوں کو چھوڑ کر اور حد درجہ کم کر کے شیشہ ہو گیے ہیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی فتوحات میں اسلامی قانون اور انصاف سے کہیں تجاوز نظر نہیں آتا۔

مجموعی لحاظ سے سیرۃ النبی کے بعد ''الفاروق'' مولانا شبلی کی بہترین تصنیف ہے اور سوانحی لحاظ سے بھی بڑی مکمّل اور مفصّل ہے۔

اصولِ صداقت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ پوری شخصیت تمام خوبیوں کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ مولانا شبلی کو اُن نتائج سے زیادہ تعلق رہتا ہے جو کسی خاص شخص یا زمانہ میں ظہور میں آئے ہوں۔

Marfat.com

اُن کے نزدیک فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور دونوں کے مجموعے کا نام تاریخ ہے۔ تاریخ کا نصب العین اُن واقعات اور حالات کا پتہ چلاتا ہے جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیوں کر بطور نتیجہ پیدا ہو۔ (''الفاروق'' ج۔۱، صفحہ۔۱۸)۔

علاّمہ شبلی تاریخ اور واقعات یعنی تہذیبی پہلو کو اِس درجہ اہمیت دیتے ہیں کہ کسی غیر قوم کا غیر ملک پر قبضہ کرنا بھی حرام نہیں بشرطیکہ اس قبضہ کے ذریعہ انسانی تہذیب اور تمدن پر اچھا اثر پڑا ہو۔ اگر ایسا نہیں، مقصد محض قبضہ کرنا اور کسی آزاد قوم کو غلام بنانا ہے تو فاتح نہیں مجرم ہے۔

ایسا ملک یا کوئی مقام جہاں ''سود'' رشوت، طرح طرح کے گھٹالے، جوا، شراب اور بد کرداری عام ہو جائے، جھوٹ کو صفت اور عقلمندی سمجھا جانے لگے۔ ڈاکوؤں اور مجرموں کی حفاظت بڑے منظّم طریقے سے کی جائے اور سربراہان اِس قسم کے لوگوں کے کسی نہ کسی طرح محتاج ہو جائیں اور اُن سب کو چاڑکیہ نیتی سمجھا جائے تو اُن کو برائی سے روکنا بہت ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی طرح قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کے مطابق بڑے پیمانے پر جدوجہد کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

مردہ ذہنوں کی طرح صرف ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کا حال جس قوم کا ہو جاتا ہے وہ اپنے کو فنا کر دیتی ہے اور اُس کی ذمّہ دار وہ خود ہی ہوتی ہے۔

مولانا شبلی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کو تاریخ کا ایک اساسی اصول تصوّر کرتے تھے لیکن ترقی سے اُن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تاریخ کا ہر قدم جو حال سے مستقبل کی طرف بڑھتا ہے یقیناً صحیح قدم ہے یا یہ کہ تہذیبِ انسانی جتنی آگے بڑھتی جائے گی صالح سے

صالح تر ہوتی جائے گی۔ شبلی کا ارتقائی تصوّر صرف تسلسل کے اصول تک محدود معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُن کے نظریہ تاریخ کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ ایک صالح معاشرہ کے لیے کچھ قدرتی قوانین ہیں۔ انسان جس جس دور میں اُن پر عمل کریں گے اس میں اُن کی تہذیب صالح اور ترقی پسند ہوگی اور یہ ماضی، حال اور مستقبل میں ممکن ہے۔

''الفاروق'' پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ شبلی کی رائے میں اسلامی تہذیب کا عہدِ ماضی انسانی تمدّن کا بہترین دور تھا اور اگر آئندہ بھی انسانی تہذیب ترقی کی منزلوں تک پہنچنا چاہے گی تو تب ہی پہنچ سکتی ہے جب حال اور ماضی کی صالح اور عمدہ صفات کو رگ و پے میں پرو سکے گی اور تجربات سے فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

یہ حقیقت ہے کہ شاندار ماضی سے واقفیت اور حال سے آگہی ملت کو درپیش مسائل کی نشان دہی میں مددگار اور روشن مستقبل کی تعمیر میں فکری صلاحیت کو بیدار کرتی ہے۔

مولانا شبلی کو ہیگل کا نظریہ ترقی بہت پسند تھا کیونکہ ہیگل نے مذہب کو ترقی کی اساس قرار دیا ہے۔

مستشرقین واقعات کو اپنے اجتہاد سے ثابت کرتے ہیں یعنی پہلے رائے قائم کر لیتے ہیں پھر واقعات کو اُس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اکثر قومی تعصب سے کام لیتے ہیں۔ ''الفاروق'' مستشرقین کے اسلامی نظام پر حملوں کا بہترین جواب بھی ہے۔ آج کل علم تاریخ کا گھٹالا بڑے زوروں پر ہے۔ اگر علاّمہ شبلی کی سیرۃ النبی (ﷺ) اور الفاروق وغیرہ کی طرح کا فلسفہ تاریخ اپنایا جائے تو فنِ تاریخ بھی صاف ستھرا ہو جائے گا۔

آج بھی اگر اسلامی اصول و تعلیمات پر عمل اور حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) کی پیروی اسلاف اسلام کے مطابق کی جائے تو قوم سربلند اور پُر وقار ہو جائے گی:

Marfat.com

ڈیڑھ سو سال سے ہیں قوم کے دل پژمردہ
آنکھ تم کھول کے دیکھو تو کہ منزل ہے کدھر

''الفاروق'' لکھ کر مولانا شبلی نے ملّی شعور کو تازہ و توانہ کرنے کے لیے زندگی لگا دی اور دنیا کو اسلامی نظام کے ہر پہلو سے واقف و آگاہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

”عید الفطر کی تاریخ اور مقصد“

ہر مذہب میں ایک دن یا کئی دن زیب و زینت اجتماعی خوشی اور کھیل و تفریح کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔ عرفِ عام میں یہ دن تہوار کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی اور عالم گیری رسم ہے۔

ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں پہنچ کر مسلمانوں کے دلوں میں خواہش ہوئی کہ اُن کے لیے بھی کوئی دن اِس طرح اجتماعی خوشی منانے کا مقرر ہو جس میں وہ سب مل کر ملّی سطح پر تجمّل و زینت کے ساتھ گھروں سے باہر نکلیں۔ یہیں سے عید الفطر کی تاریخ شروع ہوتی ہے:

قَدِم مُحَمّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَه وَلَهُمْ یومَانِ یَلْعَبُونَ فِیْهِمَا٥ فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْیَوْمَانُ؟ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ٥ فَقَالَ ”قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَیْرًا مِّنْهُمَا یَوْمُ الْاَضْحٰی وَیَوْمُ الْفِطْر“٥ قِیْلَ هُمَا اَلنَیْرُوزُ وَالْمَهْرَجَانُ، وَاِنَّمَا بَدْلِاَلَانه مَا مِنْ عِیْدٍ فِی النَّاسِ اِلَّا وَسَبَبُ وَجُودِه تَنْوِیْهُ بِشَعَائِرِ دِیْنٍ اَوْمُوَافِقَهُ مَذْهَبٍ٥ اَوْشَیْئٍ مِمَّا یَضَاهِیَ ذٰلِکَ فَخَشِیَ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَرَکَهُمْ عَلٰی عَادَتِهِمْ اَنْ یَّکُونَ هُنَالَکَ تَنْوِیْهُ بِشَعَائِرِ الْجَاهِلِیَّة اَوْتَرْوِیْحَ لِسُنَّةِ اَسْلَافِهِمْ فَاَبْدَلَهُمَا بِیَوْمَیْنِ فِیْهِمَا تَنْوِیهِ لِشِعَائِرِ الْمِلَّةَ الْحَنِیْفِیَّةِ وَضَمَّ مَعَ اَلتَجَمَّلُ فِیْهِمَا ذِکْرُاللّٰهِ وَاَبْوَابَ مِنَ الطَّاعَةِ لِئَلَّایَکُونَ اِجْتِمَاعُ الْمُسْلِمِیْنَ بِمَحْضِ اللَّعَبِ وَلِئَلَّایَخْلُوْ اِجْتِمَاعُ مِنْهُمْ مِنْ اَعْلَاءَ کَلِمَةِ اللّٰهِ٥[1]

[1] حجة اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”العیدین“

Marfat.com

ترجمہ: ''رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تو اُن کے (اہلِ مدینہ کے لیے) دو دن مقرر تھے کہ اُن میں کھیل کود کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا: یہ دو روز کیسے ہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ اِن دونوں دنوں میں ایامِ جاہلیت میں ہم کھیل کود کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم کو اُن کے بدلے میں اُن سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں، وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں۔'' وہ دو دن جن میں وہ (اہلِ مدینہ) لہو ولعب کرتے تھے، نیروز اور مہرجان تھے۔ اُن دونوں کو اِس لیے بدلا کہ لوگوں میں (دوسرے مذہب کے لوگوں میں) ہر خوشی کا دن اپنے مذہب کی جھلکیاں اور طریقے یا پیشواؤں کی عظمت یا اِس قسم کی دوسری باتیں منانے کے لیے ہوتے ہیں۔ نبی کریم (ﷺ) کو اِس بات کا خوف ہوا کہ اگر آپؐ نے اُن کو (مومنین کو) اِسی عادت پر چھوڑ دیا تو شعائرِ جاہلیت کی تعظیم یا اُن کے اسلاف کے طریقہ کی ترویج پائی جائیگی، اِس لیے آپؐ نے اُن کو دو اور دنوں کے ساتھ بدل دیا کہ اُن میں مِلّت حنیفیہ کے شعائر کی تنظیم پائی جاتی ہے اور دونوں دنوں میں تجمّل کے ساتھ ذِکرِ اِلٰہی اور آدابِ بندگی کو بھی ملایا تا کہ اُن کا اجتماع اعلاءِ کلمۃ اللہ سے خالی نہ ہو۔''

مندرجہ بالا دونوں دنوں میں سے ایک دن عید الفطر ہے جس دن مومنین جسمانی عبادت یعنی فریضہ صیام سے فارغ ہوتے ہیں۔ سب مل کر خوشی منائیں، کھائیں، پئیں اور کھلائیں۔ اُس دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا:

عن ابی هُریرة ان رسول الله صلی الله علیه و سلّم نهی عن صیام یوم الفطر و یوم الاضحی[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ

---

[1] موطاء: امام مالک۔ کتاب الصیام۔

میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

عید کے لغوی معنی بار بار پلٹ کر آنے والی خوشی کے ہیں

اَلْعِيْد: اَلْيَوْمَ الَّذِى يَعُوْدُ فِيْهِ اَلْفَرَحُ اَلَّذِى يَعُوْد كُلَّ سَنَةٍ بِفَرَحٍ مُجَدَّدٍ[1]

العید: وہ دن جس میں کسی بڑے آدمی یا کسی بڑے واقعہ کی یاد منائی جائے۔ کہتے ہیں کہ عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔[2]

قرآن کریم میں بھی عید کے معنی خوشی ہے ہیں:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ (المائدہ:۱۱۴)

حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے دعا کی، ''اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان (کھانا) نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہو اُن کے لیے جو ہم میں اول ہیں اور جو بعد کے (یعنی سب کے لیے) ہیں اور تیری (اللہ تعالیٰ کی) طرف سے ایک نشانی ہو جائے۔

رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلامی تہوار یعنی عید منانے کا طریقہ اس طرح پیش کیا:

عن ابی سعید الخدریؓ قال کان النبی (ﷺ) یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شئ یبدأبه الصلوة ینصرف فیقوم مقابل الناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم فان کان یرید ان یقطع بعثاً قطعه ویأ مربشیء أمربه ثم ینصرف[3]

---

[1] معجم من اللغة للعلامة اللوى الشيخ احمد رضاء دار مكتبة الحياة. بيروت
[2] المنجد. عربی اردو۔ مکتبہ مصطفائیہ۔ دیو بند
[3] صحیح بخاری۔ کتاب العیدین۔

Marfat.com

ترجمہ: حضرت ابو سعد خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی (ﷺ) عید الفطر و عیدِ قرباں کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے اور سب سے پہلے نماز شروع کرتے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوتے، لوگ بدستور اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے پھر آپ اُنہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے اور کہیں آپ کو کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اُس کو روانہ فرماتے یا کوئی خاص حکم دینا ہوتا وہ بھی دیتے پھر واپس ہوتے۔

نبی کریم (ﷺ) اور اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ذمہ داریوں سے اور عبادت سے غافل نہیں ہو جاتے تھے اور نہ کسی طرح لہو و لعب میں مبتلا ہوتے۔ عید کا دن خوشی و مسرّت کا دن ہے۔ ماہِ رمضان المبارک کے بعد یوم الجائزہ کی حیثیت سے لیتے ہیں یعنی مالکِ کائنات سے امید وابستہ ہوتی ہے کہ اعمال نیک قبول ہوں اور برائیوں سے پاک و صاف ہوں۔ آخرت کی خوشی اور کامیابی کی امید، روحانی طاقت کا باعث ہوتی ہے۔ عید کی خوشی قومی اور ملّی حیات اور شان کی علامت ہے۔

عید کی خوشی اور اُس کو منانے کا انداز دوسری قوموں کے تہوار منانے کے طریقوں سے الگ ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ عید گاہ جانے سے پہلے چھوارے یا کھجور کھانا سنّت ہے اِسی وجہ سے کچھ لوگ اُس کو میٹھی عید کہنے لگے ہیں:

عن أنس بن مالک قال کان رسول الله (ﷺ) لا یغدُیوم الفطر یاکل تمرات ویاکلهن وترا[1]

حضرت اُنس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”عید الفطر کے دن چوہارے کھانے کے بعد عید گاہ جاتے اور چھوہارے طاق عدد میں کھاتے۔“

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العیدین

Marfat.com

اسلامی تہذیب وتمدن کا خیال رکھتے ہوئے تاریخی یا تمدنی واقعات سے متعلق گیت یا نظمیں جو لغویات اور ناشائستگی سے پاک ہوں اگر عید کے دن گائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مرد اور لڑکے تیر اندازی، بھالوں اور برچھیوں کے کھیل دکھائیں جو کہ بہادری اور ہمت کی نشانیاں ہیں۔ یہ بھی منع نہیں بلکہ بہتر ہے کیونکہ اِس طرح ہتھیار اُٹھانے اور اُن کے صحیح استعمال کی مشق رہتی ہے۔ یہ ذاتی اور اجتماعی طور پر نفع بخش ہے:

عن عائشہؓ قالت دخل علیّ النبی (ﷺ) وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجعَ علی الفراش وحول وجهه دخل ابوبکر فانتهرنی فقال رسول الله (ﷺ) یاابابکر لکل قوم عیداً وهٰذا عیدناo[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے، فرمایا کہ میرے پاس نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ (ﷺ) تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں جنگِ بعاث کے متعلق گیت گا رہی تھیں۔ آپؐ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ آئے اور مجھے (حضرت عائشہ صدیقہؓ) ڈانٹا۔ پس رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج ہم لوگوں کی عید ہے۔

عید کے دن ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیلنے کے سلسلے میں حدیث:

عن عائشةؓ وکان یوم عیدٍ یلعب السودان بالدرق والحراب فاءمّا سالت رَسُولَ اللّٰه (ﷺ) وَاما قال تشتهین تنظُرین فقلت نعم فاقامنی ورآءَهٗ خدی علی خده وهویقول دونکم یا بنی ارفدة حتیٰ إذا مَلِلْتُ قال لی حسبک قُلْتُ نعم قال فاذهبیْo[2]

---

[1] بخاری، کتاب العیدین

[2] بخاری کتاب العیدین

Marfat.com

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے "اور عید کے دن حبشی ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیلتے تھے یا تو میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی یا آپ نے فرمایا کہ "کیا دیکھنا چاہتی ہو؟" تو میں نے کہا "ہاں" آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا۔ کیا میرا رخسار آپؐ کے دوش پر تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے بنی ارفدہ کھیل دکھاؤ یہاں تک کہ جب میں اکتا گئی تو آپؐ نے فرمایا: "بس" تو میں نے کہا "جی" آپؐ نے فرمایا "تو جاؤ"

اس عید کو عید الفطر اس لیے کہتے ہیں کہ مہینہ بھر روزہ رکھ کر فارغ ہوتے ہیں اور اب کھانا پینا شروع ہوا۔ دن میں بھی "افطرَ الصائم" روزہ دار کا کھانا پینا۔ یا روزہ دار کا افطار کرنا۔ اَفطَر کے معنی ناشتہ دینے کے بھی ہیں۔

عید الفطر کے دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صاحب حیثیت پر یعنی آسودہ حال پر صدقۂ فطر دینا لازم فرمایا کہ ضرورت مند مسکین مسلمان کو بھی اِس دن بے فکری ہو اور آرام سے کھانا مل سکے سب مومن عید کی خوشی میں شامل ہوں:

عن ابن عمر قال فرض رسول الله (ﷺ) زكوٰة الفطر صاعاً مِن تمرٍ او صاعاً من شعير على العبد والحر، لذكر والاُنثىٰ والصغير الكبير من المسلمين وامر بها ان تؤدى قبل خروج الناس الى الصلوٰة ٥

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو غلام آزاد، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر فرض کیا اور حکم دیا کہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے اُسے ادا کر دیا جائے۔

اسلام نے عید منانے کا جو طریقہ سکھایا ہے وہ راگ رنگ گانے بجانے وغیرہ

Marfat.com

پاک ہے بلکہ حُسن وصداقت، پاکیزگی اور انبساط کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ خوشی ومسرّت کے اظہار کا یہ طریقہ اسلامی تہذیب وتمدن کا آئینہ دار ہے۔ اِسلام نے انسانی زندگی کے لیے وہی شعار پسند کیا ہے جو انسانی کردار کو بلند کرتا ہے۔ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور صحت مند زندگی کی علامت ہے۔

........•:0:•........

Marfat.com

"رسالت کا مقصد اور اھمیت"

اِحکامِ ربّانی کی وضاحت

رسالت کا مقصد اور نبی کریم حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرائضِ منصبی کا ذِکر قرآن کریم میں اِس طرح ہے۔ وَاَنزَلنَآ اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم٥[۱]

ترجمہ: اور ہم (اللہ تعالیٰ) نے یہ ذکر تمہاری (محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی) طرف اِس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے اِس تعلیم کو واضح کرو جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہے۔ یعنی احکام اِلٰہی کی تشریح وتوضیح کر کے انسانوں کو صحیح راستے پر لانا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاُوحِیَ اِلَیَّ هٰذَا القُراٰنُ لِاُنذِرَکُم بِه وَمَن بَلَغَ[۲]

ترجمہ: اور کہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں تنبیہ کروں اور جس کو بھی یہ پہنچے (وہ انجام کی فکر کرے)۔

وَمَا نُرسِلُ المُرسَلِینَ اِلَّا مُبَشِّرِینَ وَمُنذِرِینَ٥[۳]

ترجمہ: اور ہم نے رسولوں کو (ذِکرِ اِلٰہی ماننے پر) خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا (نہ ماننے پر) اور ڈرانے والا۔

تخویفِ قیامت

مقصدِ رسالت اِس طرح بھی بیان فرمایا گیا ہے:

رَفِیعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالعَرشِ یُلقِی الرُّوحَ مِن اَمرِه عَلٰی مَن یَّشَاءُ مِن عِبَادِه لِیُنذِرَ یَومَ التَّلَاقِ٥[۴]

---

۱ النحل آیت:۴۴ ۲ الانعام آیت:۱۹ ۳ الکھف آیت:۵۶ ۴ المؤمن آیت:۱۵

Marfat.com

ترجمہ: رفیع درجات ہے عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ اجتماع (قیامت) کے دن سے ڈرائے۔

تمام انبیاء کی طرح یہی حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی دیا گیا ہے:

وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَی الۡحَنَاجِرِ کٰظِمِیۡنَ۝[1]

ترجمہ: ''اور آپؐ اُن کو ایک قریب آنے والی مصیبت سے ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے۔

جملہ انبیاء کا مشن ایک تھا

اور اُن مقاصد کے اعتبار سے کسی نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں تھا:

قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ۝[2]

ترجمہ: ''کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں، اللہ پر اور اُس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اُس پر بھی جو (حضرت) ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور اُس پر بھی جو (حضرت) موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا اور اُس پر جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا۔ اُن کے پروردگار کی طرف سے۔ اِس کیفیت سے کہ ہم اُن (انبیاء) میں کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۝[3]

ترجمہ: جس نے (اللہ تعالیٰ نے) ہر چیز کو اُس کی خلقت عطا کی اور پھر اُس کو ہدایت دی۔

---

[1] المومن آیت:۱۸ [2] البقرہ آیت:۱۳۶ [3] طٰہٰ آیت:۵۰

Marfat.com

تزکیۂ نفوس

انبیاءعلیہم السلام سب اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ہادی تھے، اُن کا مقصد تھا انسانوں کو سمجھائیں:

اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ (ترجمہ: بے شک اللہ کی راہ ہی سیدھا راستہ ہے۔)

جو کچھ اللہ نے انبیاء ورسول کو دیا ہے (علم وکتاب) اُس کو امانت ودیانت داری کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دینا انبیاءعلیہم السلام کی ذمہ داری تھی۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۰ [۱]

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ سب کو پہنچا دیجئے۔

نبی آخرالزّماں حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری قرآن کریم میں اِس طرح بیان کی گئی ہے:

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۰ [۲]

ترجمہ: "وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور دانشمندی سکھاتے ہیں۔ یہ لوگ پہلے ہی گمراہی میں تھے۔

انبیاءعلیہم السلام کی حیات انسانوں کے لیے مشعل راہ تھی بالخصوص امت کے لیے آپ کے اقوال، افعال اور اعمال یعنی اسوۂ حسنہ کتاب الٰہی کی زندہ تفسیر ہونے کی وجہ

---

[۱] آل عمران آیت: ۶۷

[۲] الجمعہ: ۲

Marfat.com

سے لازم ہے کہ آپ کا اتباع کریں۔ اِسی میں دینی و دنیاوی کامیابی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؁[1]

ترجمہ: تمہارے لیے (رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفٰےؐ کی سیرتِ پاک میں) بہترین نمونہ (نمونۂ عمل) تھا جس کو اللہ سے یومِ آخرت میں امید ہے اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرے۔

دعوت الی اللہ

انبیاء علیہم السلام کی حیثیت روشن چراغ کی سی ہے۔ جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں منزلِ مقصود کی راہ نظر آتی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ؁[2]

ترجمہ: ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ آپ گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور روشن چراغ ہیں''

اطاعتِ رسول کا وجوب

انسانوں کی فلاح و بہبود اس میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اُمّتِ مسلمہ کے لیے خاص طور سے نبی آخر الزّماں حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کریں۔ اِسی میں اللہ کی فرماں برداری ہے اور آخرت میں بڑی کامیابی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم حکمِ الٰہی کے مطابق تھی اور تشریح و تفصیل تھی کُتبِ الٰہی۔

[1] الاحزاب آیت: ۲۱

[2] الاحزاب آیت: ۴۶

Marfat.com

فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۝[1]

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو تم لوگ میری (محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا) اتباع کرو، اللہ تم سے محبّت کریگا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی۔

حدیثِ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

عَنْ اَنَس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اَللّٰه (صلی اللہ علیہ وسلم) لا "يُؤمِنُ عَبْدٌ وَفِى حَدِيْث عَبْدُ الْوَارِث اَلرَّجُل" حَتّٰى يَكُوْنَ اِلَىَّ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالْنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

ترجمہ: حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا اور عبدالوارث کی روایت میں کوئی آدمی ہے۔ یہاں تک اُس کو میری (رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی) محبت گھر والوں اور مال اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ محبت سے مراد ہے کہ رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اور آپؐ کے اقوال، افعال و تقریر یعنی سنن کریمہ کی تعمیل سب پر مقدم رکھے۔ آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت و اتباع میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے۔ یہی اسلام سے سچی محبت ہے۔

نبی کا اسوہ حسنہ ہمیں یہ درس دیتا ہے
ہماری زندگی قرآن کی تفسیر بن جائے

........:0:........

---

[1] آلِ عمران آیت: ۳۱

Marfat.com

"مختلف المذاہب سماج اور اسلام"

اسلام کے معنیٰ ہیں مطیع و فرماں بردار ہونا۔ معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ سَلِمَ، سلامت روی، امن اختیار کرنا، عیب یا آفت سے بری ہونا۔ مسلم، فرماں بردار اور امن قائم کرنے والا۔ کسی بھی گھر، محلّہ، بستی ملک اور سرزمین میں راحتِ ذہنی سکون اور خلوص و محبت کا تصوّر اُسی وقت کیا جا سکتا ہے جب انسانوں کے اندر مروّت اور آدمیت کے جذبات موجود ہوں۔

انسانوں کو انسانیت کی بنیاد پر رحم و ہمدردی اور مل کر رہنے کی صلاحیت رکھنی اور پیدا کرنی چاہیے۔ اسلامی تعلیمات کا طالبِ علم اور باعمل مسلم یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اقوامِ عالم کی اجتماعیت کا مثبت نظریہ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ سے ثابت ہے، کیونکہ امن عالم کے لیے یہ لازم جز ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہے:

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ (سورۃ ابراہیمؑ آیت۔۱)

ترجمہ: ایک پُرنور کتاب (ہے) اُس کو ہم نے تم پر اِس لیے نازل کیا ہے کہ انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔ پروردگار کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف کے راستے کی طرف۔ انسانیت کے مفاد کی یہ حسین ذمّہ داری تمام مذاہب و اقوام کے ساتھ مل کر ہی رہنے سے ہے۔ یہ بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ اسلامی شریعت میں یعنی قرآن کریم اور احادیثِ شریفہ میں کوئی ایسا کم نہیں ہے کہ انسان کو کسی ایک مقام سے دوسرے مقام آنے جانے اور بین الاقوامی تجارت کرنے، تعلیم حاصل کرنے

Marfat.com

اور اسی طرح کے معاملات میں کوئی قریب یا دور کا سفر کرنے کے لیے کوئی صنفی قانونی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ انسانوں سے ملاقات کرنے اور دنیا و مافیہا کا مشاہدہ کرنے اور غور کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (سورۃ العنکبوت۔۲۰)

ترجمہ: ''زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خلقت کس طرح شروع کی گئی۔'' اِس آیت میں واضح طور پر ترغیب دی گئی ہے، زمین میں رہنے والے مختلف مہذاہب اور تہذیب کے لوگوں سے ملیں اور مقامات میں سیر کر کے تجربات حاصل کریں۔

اسلام نے مسلمانوں کو دوسرے مذاہب اور اقوامِ عالم کے ساتھ صحت مند اور جوش کن رویّہ رکھنے سے کہیں بھی منع نہیں کیا۔

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ منع نہیں کرتا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (سورۃ الممتحنہ۔۷)

مسلمان اور غیر مسلم سب انسان ہیں۔ انسانیت کے رشتہ کی پاسداری سے مخلوط معاشرہ میں امن اور بھائی چارے کا ماحول بنائے رکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''مخلوق اللہ کا خاندان ہے تو اللہ کو وہی شخص محبوب ہے جو اُس کے خاندان کے لیے اچھا سلوک کرے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)۔

فرمانِ الٰہی ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کے دیئے راستے پر قائم رہنے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی قسم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو، تقویٰ سے قریب ہے۔

Marfat.com

دنیا کو بہتر ماحول میسر ہو۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ مخلوط معاشرہ میں بلاتفریق خیر خواہی کا جذبہ کام کرے، یہی اسلام نے سکھایا ہے۔ رحمتِ عالم (ﷺ) نے فرمایا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرتا (بخاری)۔

یہاں لفظ اِنسان کہا گیا، مسلم بھی فرمایا جا سکتا تھا، اسلام کا تو مقصد ہی صحیح راہ پر چلانا اور سب انسانوں کے مفاد کو مدِ نظر رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' (البقرہ۔۸۳)۔

ترجمہ: ''لوگوں کے ساتھ خوش گفتار رہو۔''

آگے فرمان ہوا: ''وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ'' (لقمٰن۔۱۸)

ترجمہ: لوگوں سے رُخ مت پھیرو (گال مت پھلا) اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ اللہ اِترانے والے کو خود پسند نہیں کرتا۔''

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ مسلمان مسلمانوں کے ساتھ اچھے طور پر کلام کریں یا مسلمانوں سے رُخ مت موڑو بلکہ فرمایا کہ انسانوں سے جب انسان کہا گیا تو وہ کسی بھی مِلّت، تہذیب اور مذہب کا ہو سکتا ہے۔ مخلوط اور اجتماعی معاشرہ میں رہنے کے یہ خوب تر اصول اسلامی تعلیم کا جز ہیں۔ مذہب یا کسی بھی فرق کی وجہ سے کسی انسان یا گروہ کے ساتھ بدسلوکی کرنا منع ہے، یہی حال عدل اور اصاف کے سلسلے میں ہے اور سچی گواہی دینے کے حکم میں ہے۔ ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریقے سے کہ بہت پسندیدہ ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں اور ناپ تول اور انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو ذمہ داری نہیں دیتے مگر اُس کی جتنی وسعت ہو۔ جب کوئی بات کہو تو انصاف سے

Marfat.com

کہو۔" (سورۃ الانعام۔۱۵۳) ۹

قرآن کریم اور احادیثِ شریفہ میں پڑوسیوں، ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والوں، یتیم، مسکین اور مسافروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور اُن کا خیال رکھنے، حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ صرف اگر وہ مسلم ہوں۔ اسلام نے عام انسانوں کے حقوق قائم کر کے انسان کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے اور انسان کو دینا میں سرِ چشمہ قرار دیا ہے۔ آج خوشی کی بات ہے کہ بیسویں صدی کے آخر میں اب اور لوگوں نے بھی اس کو تسلیم کیا اور با قاعدہ ہیومن رسورس اور ڈیولپ منٹ کی بات ہونے لگی ہے۔

دوسرے معاشی اور معاشرتی اصولوں کے ساتھ ہی سود حرام کیا گیا اور قرضِ حسنہ کا حکم ہوا۔ اس کے لین دین کے سلسلہ میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صرف مومنین مومنین کو ہی قرضِ حسنہ دے بلکہ فرمایا: "اللہ کو اچھا نیک قرض دو اور جو نیک عمل تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اُس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے۔" (سورۃ المزمّل۔۲۰)۔

قرض کے اس لین دین کے معاملہ میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صرف مسلمان مسلمان کو دے بلکہ ایک عام حکم ہے کسی بھی معاشرے کے لیے ہے یا خود جس معاشرے میں رہتا ہے اُس کے کسی بھی انسان کی فلاح کے لیے یہ حکم ہے۔

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات منظّم کرنے اور انسانیت کی امن وسلامتی اور اطراف وجوانب کے علاقوں کو دفاعی وحدت میں منظّم کرنے کے لیے یہود سے معاہدہ کیا۔

۱۔ یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی اُمت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ ۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہونگے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔ ۳۔ اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے

Marfat.com

گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔ ۴۔اور اِس معاہدے کے شُرکا کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔۶۔مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ اِس معاہدہ کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

۸۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔ (سیرتِ ابنِ ہشام رحیق ۵۰۳،۵۰۴)

امن وسلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لیے نبی کریم (ﷺ) نے آئندہ دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اِسی طرح کے معاہدے کیے۔

نبیٔ رحمت حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) نے انسان کو قہر وظلم کے نظام سے نکال کر عدل وانصاف کے نظام میں لانے کی مسلسل جدو جہد بھی کی۔ زمین کو تشدد کی آندھیوں، خیانت، ظلم وستم اور بدی وگناہ سے پاک کر کے رافت ورحمت، حقوقِ انسانی اور مروّت و انسانیت کا نظم بحال کیا۔آپ کی ہدایات تھیں امیر لشکر کے لیے: ''اللہ عزوجل کے تقویٰ، خیر کی وصیت فرماتے ہوئے آسانی کرو، سختی نہ کرو، بدعہدی نہ کرنا، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کرو، عبادت گاہوں اور اُن میں بیٹھے عابدوں کو مت چھیڑ چھاڑ کرنا، رات میں کسی قوم پر چھاپہ نہ مارا جائے۔''

کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا، لوٹ پاٹ سے روکا۔

اِسی طرح آپؐ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانوروں کو ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا یا سوائے اِس صورت کے کہ اُس کی سخت ضرورت ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا: ''کسی زخمی پر حملہ نہ کرو، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا'' قیدی کو قتل

Marfat.com

کرنے سے منع فرمایا۔ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے معاہدین (غیر مسلم شہریوں کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا) (صحیح مسلم اور رحیق المختوم ۶۸۸)۔

حمیۃ الجاھلیہ سے آپسی تنازع بڑھتے ہیں۔ انسان انسانوں سے اور انسانیت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور حمیہ اسلامی اور فکرِ اسلامی سے انسانی برادری کا تعلق و رابطہ مضبوط ہوتا ہے۔ سماج میں سکون کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور برقرار رہتا ہے اور ایسا ہی ہوا جب تک اسلام کے قائم کردہ اصولوں کی پابندی کی گئی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے وصیت فرمائی۔ اہلِ ذِمّہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اُن کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کی ذمہّ داری یاد رکھے۔ اُن سے جو اقرار کیے ہیں ہمیشہ پورے کیے جائیں۔ اُن کی اُن کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، اُن پر سختی نہ کی جائے۔

بڑی مسرّت کی بات ہے کہ کچھ ذی ہوش محرّکوں نے مذاہبِ عالم کو سمجھنے کی اور آپس میں مل کر بیٹھ کر ایک دوسرے کے تمدّن کو جاننے کی ابتداء کی ہے لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک دوسرے کی بھلائیاں تو نظر انداز کردی جائیں اور تاریخی طور پر بے بنیاد اور سماج میں ابتری پھیلانے والی باتوں اور دیگر خرابیوں پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونے کو بھی سراہا جائے۔ سماج میں امن بحالی کے لیے مل جل۔ کر رہنے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے ہی میں نفع ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو کر خوش کن مستقبل کی امید کی جا سکتی ہے۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سَحر کر۔

........:0:........

Marfat.com

"اسلام امن پسند ہے جنگ پسند نہیں"

جنگ آپسی مروّت، اخوت، ہمدردی اور محبت جیسے پاکیزہ اور لطیف جذبات کو پامال کرتی ہے۔ ماحول، آب و ہوا اور ذہنِ انسانی کو تباہ کرتی ہے۔ امن و آتشی، سکون اور ترقی کی دشمن ہے، اِسی لیے محض نسبی اور نسلی تعصب اور مذہب کو بنیاد بنا کر جنگ کرنا اور عداوت و بغض باندھ کر ماحول کو پراگندہ کرنا اِسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اِسلام قومی یک جہتی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی حُسنِ سلوک کرنے اور مروّت کا برتاؤ رکھنے کو پسند فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "اللہ تم کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔" (الممتحنہ۔۸)

فتنہ و فساد برپا کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ امن پسند قوموں سے لڑنا منع ہے۔ دنیاوی نفع اور غرض کی خاطر جنگ جہاد نہیں ہے۔

ترجمہ: "یا جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں، نہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں، نہ اپنی قوم سے اور اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر مسلّط کر دیتا اور وہ بھی تم سے لڑتے۔ لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز آئیں اور تمہاری طرف صلح و آتشی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے اُن پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔" (النساء۔۹۰)

اگر کسی قوم نے ظلم و جبر کیا ہے اور بحالت مجبوری اُس کے ظلم و ستم کو روکنے اور اپنی حفاظت کرنے کے لیے جنگ کرنی پڑے، تب بھی اگر اِس دوران ظالم شر سے باز آجائیں اور صلح کرنا چاہیں تو اُس حالت میں جنگ روا نہیں رہتی۔

Marfat.com

ترجمہ: "پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" (البقرہ۔۱۹۲)

ایک اور جگہ فرمایا:

ترجمہ: "پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔" (البقرہ۔۱۹۳)

قرآن کی تعلیمات کے مطابق جنگ مادی اغراض کے لیے جائز نہیں ہے۔ نہ اُن لوگوں پر ہاتھ اُٹھانے کی اجازت ہے جو دینِ حق کی راہ میں مزاحمت نہیں کرتے اور نہ لڑائی میں یعنی جائز حالات کے تحت لڑی جانے والی جنگ میں جاہلیت کے طریقہ اور وحشیانہ حرکتیں کرنے کی اجازت نہیں ہے، قطعی طور پر منع ہے۔ عورتوں اور بچوں، بوڑھوں اور زخمیوں پر ہاتھ اُٹھانے کی ممانعت ہے۔ دشمن کے مقتولوں کا مُثلہ کرنا، کھیتوں، ہرے بھرے درختوں اور مویشیوں کو خواہ مخواہ برباد کرنا اور دوسرے ظالمانہ افعال بالکل ناروا ہیں۔

ترجمہ: "اور تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔" (البقرہ۔۱۹۰)۔

قوت کا استعمال وہیں کیا جائے جہاں ناگزیر ہو اور اُسی حد تک کیا جائے جتنی ضرورت ہو۔ رنگ، نسل، اونچ نیچ، ذات پات اور زبان کو لے کر جنگ کرنا قومی اتحاد کو خطرے میں ڈالنا، معاشرے کے سکون کو برہم کرنا جہالت اور غیر مہذب ہونے کی نشانیاں ہیں۔ اسلام نے اُن تمام تفرقات کو یک قلم موقوف کر دیا۔

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قوموں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکوں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (الحجرات۔۱۳)

یعنی انسانوں کا عزت دار اور شریف ہونا کسی خاص خاندان، گھرانے، ذات و

Marfat.com

نسل، رنگ و زبان اور دولت وغیرہ کی بناء پر نہیں بلکہ انسان کا عزت دار اور شریف ہونا اُس کے عمل کی بنیاد پر ہے جو جتنا نیک و صالح ہے، معاشرے کے لیے نفع بخش ہے، وہی معزز و شریف ہے۔

ناروا کسی کا قتل کر دینا سخت گناہ ہے لیکن سماج میں فتنہ و فساد پھیلانا قتل کرنے سے بھی بڑھ کر گناہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ فتنہ و فساد وہ بھڑکتا ہوا بے لگام شعلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی پوری قوم جل کر بھسم ہو جاتی ہے، آزاد سے غلام بن جاتی ہے، تاریخ کا سنہرا دور سیاہ دور میں بدل جاتا ہے۔

ترجمہ: ''اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔'' (البقرہ۔۱۹۱)۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام حرکات و سکنات جن کی وجہ سے انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی کے جائز اور حق و جذبات مجروح ہوں اور ظلم و تشدد کی آگ بھڑکے وہ کسی قوم کے سمجھدار اور مہذب و متمدن افراد کا کام نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ: ''اور زمین میں فساد برپا مت کرو۔'' (الاعراف۔۵۶)

ظلم کرنے اور ظلم سہتے رہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ ظلم و جبر کو سہتے رہنے سے بھی ظالموں، مجرموں اور باغیوں کو بڑھاوا ملتا ہے۔ جہالت کے اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے کم ظرف، بزدل اپنے کو بہادر اور طاقتور ماننے لگتے ہیں۔

ترجمہ: ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' (البقرہ۔۲۷۹)

اسلامی جہاد کا مقصد فتنہ فساد اور ظلم و جبر اور تشدد کو ختم کرنا ہے اور یہ بڑے عزم و ہمت اور بہادری، صبر و تحمل، قربانی، جرأت و شجاعت اور رحم و ہمدردی، خدا ترسی، حق و فرض شناسی کے مِلے جُلے متوازن جذبات کا کام ہے۔

جہاد کے معنیٰ ہیں مشقت وجدّ و جہد کرنا، پوری کوشش کرنا، طاقت لگا دینا، اللہ

Marfat.com

سے راستے میں محنت وکاوش کرنا، قوت صرف کر دینا (ماخوذ از ''القاموس المحیط الزاوی طاہر احمد)۔

حق کی تعلیم کا مقصد معاشرے کی اصلاح اور انسانیت کی فلاح اور امن بحال کرنا اور سلامتی قائم رکھنا ہے۔

ترجمہ: ''اور وہ (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے پر واضح آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بیشک اللہ تمہارے ساتھ بڑا شفیق اور مہربان ہے۔''
(الحدید۔۹)

حق کی حمایت، مظلوم کی مدد، نفس کشی، ایثار و قربانی، قربتِ الٰہی کی خواہش، مساوات اور محبت کا برتاؤ، طاقت وقوت کا مکمل طور پر صحیح استعمالِ صبر واستقلال، ارادے کی مضبوطی، آزمائشوں کے باوجود یقین کے ساتھ راہِ مستقیم پر گامزن رہنا، اللہ اور اُس کے رسول کی ہر معاملے میں اطاعت واتباع کا پورا اہتمام رکھنا، امرِ بالمعروف ونہی عنِ المنکر میں جان و مال سے سعی۔ یہ وہ کردار ساز عظیم صفات ہیں جو انسان کو اللہ کا محبوب بندہ بنا دیتی ہیں اور اُن صفات سے متصف انسان خود اِس لائق ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ اُس کا اتباع کریں تو فلاح پائیں۔ یہ عظمت ہے معاشرے میں امن بحال کرنے والے، محسن اور صالح انسانوں کی۔

ترجمہ: ''اُن لوگوں کے طرزِ عمل میں تمہارے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کا امیدوار ہے، اچھا نمونہ ہے۔'' (الممتحنہ۔٦)

اللہ رے وسعت تیرے دامانِ کرم کی
اِس بحر کا ملتا نہیں ڈھونڈے سے کنارا

........:0:........

Marfat.com

"سرسید احمد خاں کی اسلامی فکر"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْاعَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْامِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورۃ الجمعہ۔۲)

ترجمہ: وہی تو ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) جس نے ان پڑھوں میں اُنہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور کتاب و دانائی سکھاتے ہیں اور اِس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

بلا شبہ ان فرائض نبوت کے مخاطب حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں لیکن کلامِ اِلٰہی کی ہدایات تا قیامت تمام انسانوں اور بالخصوص مومنین کے لیے ہیں۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قوم سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے اور اپنی کوشش و کاوش سے اُس کے درد کا مداوا کرنا چاہتا ہے اُس سربراہ یا رہنما کا فرض بھی یہی ہے کہ وہ قوم کو غفلت سے جگانے، قوت و ہمت کو بڑھاوا دینے کے لیے پڑھنے پڑھانے، ذہن کو روشن کرنے، خیالات کو نکھارنے میں کوشاں ہو اور حکمت و دانائی سکھائے۔

حکمت کا مطلب ہے حق بات پر عمل۔ اگلے پچھلے حالات و واقعات موافق اور مخالف معاملات، پر غور و فکر کرنا اور پُر امید ہو کر تدبر سے کام لیتے ہوئے نتیجہ اخذ کرنا اور زکی یعنی روح اور جسم کے ساتھ دل و دماغ، سوچ و فکر کی پاکی، ذہانت اور عقل مندی سے

کام لینا۔

سرسید نے انگریزوں کا دور، اسلامی حکومت کا انحطاط ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالات، تغلق آباد دہلی میں شاہی خاندان کے افراد کو حل چلاتے اور کچھ کورات کے اندھیرے میں منہ ڈھک کر بھیک مانگتے بھی دیکھا تھا۔

محسنِ قوم سرسید احمد خاں نے ملّت کے بارے میں سوچا اور اُن کو خستہ حالت سے نکالنے کے لیے حالات کو تاریخ کی روشنی میں جانچا اور پُر امید ہو کر حکمتِ عملی اور تدبر سے کام لیا اور سوچ کو عمل کی شکل دی، کبھی ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' ہند لکھ کر۔ یہ پہلی سیاسی کتاب تھی جو ہندوستان میں لکھی گئی تھی۔ ''محمڈنس آف انڈیا'' لکھی۔ سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اس کے ذریعہ مسلمانوں میں علم کا ذوق، معلومات اور حالاتِ حاضرہ میں جدو جہد کر سکنے کے لائق بنایا مقصد تھا۔ مختلف کتب کے ترجمے کرائے۔

قوم کو آگے بڑھانے کے لیے انگریزی حکومت سے دوستانہ مصالحت کا طریقہ اختیار کیا۔ سرسید کی پولیسی، اصل میں Policy of Conciliation and Cooperation تھی۔

اور اس کی بہت ضرورت تھی کیونکہ اُس وقت قوم کا سب کچھ متاثر تھا۔ ملک کے سامنے غلامی کی زنجیریں تھیں، بہت کمزور تھا، قوم کا مذہب، اخلاق، تعلیمی معیار اور معیارِ زندگی ہر طرح سے تنزل پر تھا۔ سرسید نے اصلاح اور علاج دونوں کی طرف دھیان دیا۔ مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت سے سرسید کا اصل مقصد اُن کی مِلّی اور قومی زندگی بہتر طور پر تعمیر کرنی تھی تاکہ پھر سے پُر وقار سماجی اور تمدّنی حیثیت بحال ہو جائے۔ اُنہوں نے کہا تھا:

''اے دوستو! مجھ کو یہ بات کچھ زیادہ خوش کرنے والی نہیں ہے کہ کسی مسلمان نے بی.اے. یا ایم.اے. کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ میری خوشی قوم کو قوم بنانے کی ہے۔'' (سر سید احمد خاں لکچروں کا مجموعہ محمد سراج الدین، لاہور، ۱۸۹۰)

آپ نے ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (مدرسۃ العلوم) قائم کیا۔ سر سید نے سمجھ لیا تھا کہ قرآن کریم صرف قوم کے درد پر آنسو بہانا نہیں سکھاتا بلکہ غور و فکر اور حرکت و عمل کی ترغیب دیتا ہے اِسی لیے وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیمِ جدید اس طرح ہو کہ سر پر کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا تاج یعنی پختہ عقائد رکھتے ہوں۔ داہنے ہاتھ میں قرآن کریم یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں احکامِ خداوندی کو یاد رکھتے ہوئے آگے بڑھنے کا حوصلہ موجزن رکھیں اور بائیں ہاتھ میں سائنس یعنی علومِ جدید سیکھنے کا ذوق بھی ہو کہ حلال و جائز طریقہ سے معاشی حالت سُدھرے اور سوسائٹی میں سر بلند ہو سکیں اور آنے والی نسلوں کو کچھ دینے کے لائق بن سکیں۔

گو وقت کے تقاضے اور اُس دور کی ضروریات کے تحت سر سید کے تعلیمی تصوّرات میں جدید علوم کو خصوصی حیثیت حاصل تھی لیکن ایم.اے.او. کالج کی درسیات میں اِن علوم کے غلبہ کے باوجود، قدیم علوم کی اہمیت و افادیت اور دینی علوم کے فیض سے بے نیاز نہ ہوئے۔ اُنہوں نے دینی علوم اور مشرقی زبانوں کی بقاء اور تحفّظ کو مسلم قومیت کے تحفّظ سے منسلک کیا ہے۔ اپنے اِس خیال کو اِس طرح پیش کیا۔

''اِسی کے ساتھ یہ تدبیر بھی چاہتا ہوں کہ علوم عربیہ اور درسِ کتبِ مذہبی جو معدوم ہوتا جاتا ہے کسی طرح قائم رہے۔'' (خطوطِ سر سید)

خود سر سید احمد نے بڑی دلچسپی سے علوم دین حاصل کیے۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر

Marfat.com

میں عربی و فارسی زبان اور اسلامیات کی مروّجہ تعلیم کی تکمیل کی اور ہیئت وطب میں اپنے ماموں نواب سید زین العابدین سے خصوصی استفادہ کیا۔ سرکاری ملازمت مل گئی۔ تقریباً سات آٹھ سال تک عدالت سے متعلق ذمہ داریاں انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں منصف کی حیثیت سے فتح پور سے دہلی تبادلہ ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اپنے تعلیمی مراحل میں اسلامی علوم اور عربی ادب کی طرف خاص توجہ کی۔ دہلی کے ممتاز علماء سے تفسیر، حدیث، فقہ، عربی میں استفادہ کیا۔ مترجم قرآن شاہ رفیق الدین کے صاحب زادے مولانا مخصوص اللہ، فقہ کے جید عالم مولانا نوازش علی، عربی زبان وادب کے ماہر، فیض الحسن سہارنپوری، ماہرِ منقولات ومعقولات مولانا مملوک علی نانوتویؒ وغیرہ۔

سرسید کا مقصد یہ تھا کہ اِس ادارہ سے ایسے افراد تیار ہوں جو جدید تقاضوں کو پورا کرسکیں اور قدیم علمی ورثہ کے تحفّظ کے ساتھ اُس کی افادیت بڑھا سکیں۔ شروع ہی سے ایم۔اے۔او۔ کالج کے نصاب میں جدید علوم کے ساتھ عربی فارسی زبان وادب دینیات، فقہ اورسلامی تاریخ جیسے مضامین نصاب میں شامل رکھے۔

سرسید کے ذہن میں دینیات کی تعلیم کا بہت ہی جامع تصور تھا۔ محض رسمی تعلیم نہیں بلکہ تفسیر حدیث، فقہ اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، علم عقائد اور علم کلام کی تعلیم تھی۔ مذہبی تعلیم کمیٹی کے سامنے اِس طرح اپنی تجویز پیش کی، ''دینیات میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں: فقہ، حدیث، تفسیر، اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، علمِ عقاید، کلام پس اِنہی علوم کی کتابیں سلسلۂ تعلیم علوم مذہبی ہیں۔ جس طرح مناسب ہو داخل کی جائیں۔'' (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۴ راپریل ۱۸۸۰ء، مقالاتِ سرسید) آپ نے ہر طرح کے معیار کے مطابق دینیات کی کتابیں داخل کرانا چاہیں۔ بڑی اہمیت کی بات یہ

Marfat.com

ہے کہ آپ نے چاہا کہ آخری مرحلہ میں خواہش مند طلبہ کو اِس مضمون میں اختصاص کی سہولیتیں فراہم کی جائیں۔

دینیات کی درسیات کی تیاری کے لیے سرسید نے علماء کی ایک مخصوص کمیٹی بنائی اور طلباء کی دینی واخلاقی تربیت کے اہتمام کے لیے ناظم دینیات کا عہدہ قائم کیا۔ اُس پر سب سے پہلا تقرر مولانا عبداللہ انصاری کا ہوا۔ اُن کے بعد علاّمہ شبلی نعمانی، السنہ مشرقیہ کے اساتذہ میں جوزف ہورویز اور مولانا حمید الدین فراہی تھے۔

عربی میں بول چال اور بحث و مباحثہ کی استعداد پیدا کرنے کے لیے ''نخبتہ الادب'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ مصر سے عربی اخبار منگائے جاتے تھے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کا ہونا لازمی جز قرار دیا۔ آپ کی خواہش اور کوشش رہی کہ طلباء کالج کی زندگی میں دینی اور اخلاقی تقاضوں کو بہ حُسن و بخوبی پورا کرسکیں اور عملی زندگی کے لیے بااخلاق انسان کی حیثیت سے تیار ہوں۔

اِس لیے مسجد میں پہنچ کر وقتِ نماز کے اہتمام کے علاوہ ناظم دینیات سے یہ بھی مطلوب تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً طلباء کو وعظ و نصیحت کرتے رہیں اور حضورِ اقدس کی حیاتِ مبارکہ اور صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی زندگی کی واقعات اِس طرح پیش کریں کہ اُن میں دین داری، احکامِ مذہبی کی پابندی، حُسن واخلاق، والدین واساتذہ کا ادب، سچائی، سادگی اور باہمی بھائی چارہ اور ہمدردی پروان چڑھیں۔

''تنزلِ علومِ دینیہ'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا تھا، اس میں ان عوامل پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے علومِ دینیہ اُس زمانے میں تنزل کا شکار ہوئے اور یہ بھی واضح کیا کہ کن تدابیر کے ذریعہ اُس صورتِ حال کو بدلا جاسکتا ہے۔ (تذکرہ محسن، محمد امین زبیری)

Marfat.com

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس جو بعد میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے معروف ہوئی، سرسید کی تحریک پر ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ آپ اس کے تاحیات سکریٹری رہے۔ اس کا اہم مقصد دینیات کی تعلیم کے نظام کو مضبوط بنانا اور دینی مکاتب اور مدارس کو توسیع اور ترقی دینا شامل تھا۔

دینی اور اخلاقی تربیت کے لیے کالج کے طلبہ کے واسطے درسِ قرآن قائم کیا۔ یہ درس روزانہ کلاسیز شروع ہونے سے پہلے کسی بڑے ہال میں (اور اسٹریچی ہال بننے کے بعد اُس میں) منعقد ہوتا تھا اور آدھا گھنٹہ جاری رہتا تھا یہ سلسلہ ۱۸۸۱ء سے شروع ہوا تھا، مع معنیٰ و مفہوم کے۔

دینی مدارس کے علاوہ ایسی انجمنوں اور اداروں سے بھی سرسید نے تعلق قائم کیا جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسلامی علوم کی ترویج، دینی تعلیم کی اشاعت اور مسلمانوں کے اجتماعی فلاح و بہبود، انجمنِ اسلام کے کاموں میں مصروف تھیں۔ اُن میں انجمن مذاکرہ علمیہ کلکتہ، انجمنِ مذاکرہ اسلامیہ اور انجمنِ حمایت اردو پنجاب قابلِ ذکر ہیں۔ کئی بار اُن کے جلسوں میں شرکت بھی کرتے تھے۔

اپنی اہم کتاب آثار الصنادید میں علماء کی دینی اور علمی خدمات کو سراہا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑ دیں اور بعد تحقیقات و مباحث کے سلسلۂ تعلیم مسلمانون کا ایسا قائم کریں جو اُن کے دین و دنیا دونوں کے لیے مفید ہو۔"
(مقالاتِ سرسید مرتبہ۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی)

سرسید اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: "ہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے، قوم کو قوم بنانے کے لحاظ سے مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں میں مذہبِ اسلام کی رو

Marfat.com

سے قوم کا لفظ نسل کے متحد ہونے پر نہیں بولا جاتا ہے بلکہ جس نے کلمہ پڑھا اور اسلام لایا گو کہ وہ باعتبارِ نسل کے کوئی ہوں وہ سب ہمارے بھائی ہیں اور ہماری قوم میں داخل ہیں۔''

قال اللہ تعالیٰ: ''اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ'' پس جب مدار، قومیت پر ہے تو ہم کو اپنی قوم کو مذہبی تعلیم دینا اقل درجہ جہاں تک کہ عقاید و فرائض سے متعلق ہے، ضروری ہے (مقالاتِ سرسید)۔

۱۸۸۸ء میں لاہور کے کالجوں کے مسلم طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ تمام میرے بچے طالبِ علم جو کالجوں میں پڑھتے ہیں اور جن کے لیے میری آرزو ہے کہ وہ یورپ کے سائنس ولٹریچر میں کامل ہوں اور تمام دنیا میں اعلیٰ شمار کیے جاویں۔ اِن دو لفظوں ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کو کبھی نہ بھولیں'' (خطباتِ سرسید ۲/۲۹۸)۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے توسط سے مدارس کی اصلاح اور ترقی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ آپ نے مدارس کی حالت سدھارنے کی خاطر سے اپنے مقالات وخطبات میں متعدد بار تنقید کی۔ عصری تقاضوں کی روشنی میں مسلمانوں کے پورے تعلیمی نظام پر نظر ثانی اور اُن میں تجدید کاری کے داعی تھے۔ سب سے زیادہ زور نصابِ تعلیم میں تبدیلی پر دیا۔

سرسید لکھتے ہیں: علمِ دین اہلِ مذہب کے لیے کسی وقت غیر مفید نہیں ہوسکتا، اِس لیے کہ خود اُس کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے۔ ہاں اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اُس وقت بحث کی جاسکتی ہے جب کہ اُس کے فائدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملے سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقۂ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل

Marfat.com

رائج ہے وہ اُن دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیے بھی مفید نہیں (مقالاتِ سرسید ۲۵/۸)۔

مدارس کے سلسلے میں سرسید کا یہ بھی احساس تھا کہ وہاں طلبہ کو کوئی ایسا ہنر نہیں سکھایا جاتا یا کوئی فنی و تکنیکی تربیت نہیں دی جاتی کہ فراغت کے بعد اُنہیں حصولِ معاش میں آسانی ہو۔

سرسید مدارس کی اصلاح و ترقی کے لیے خود کوشاں رہے اور دوسروں کو بھی اُس پر اُبھارتے رہے۔ لکھتے ہیں:

''دیو بند کا مدرسہ اُن (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کی نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ ہمشیہ قائم و مستقیم رہے۔'' (سرسید کی تعزیتی تحریریں)۔

سیر سید نے کالج میں دینی تعلیم کے انتظام و اہتمام کے لیے کمیٹی مدبرانِ تعلیم مذہب، سنّت و جماعت تشکیل دی جس میں علماء کی بھرپور نمائندگی تھی۔

علماء دین سے سرسید کا تعلق اور نیک خیالات کا اظہار اُس عبارت سے ہوتا ہے جو آپ نے مولانا عبداللہ انصاری اوّلین ناظم دینیات ۱۸۹۳ء کے بارے میں لکھی:

''مولوی عبداللہ صاحب، فرزند ہیں مولوی انصار علی کے، نواسے ہیں مملوک علی صاحب کے، داماد ہیں مولوی محمد قاسم کے اور اُن کے سب بزرگوں سے مجھے ذاتی واقفیت تھی اور امید ہے کہ اُن بزرگوں کی صحبت کے فیض سے مولوی عبد اللہ صاحب کی بھی ایسی طبیعت ہے کہ دینی کاموں کو بلحاظ دین و بلحاظ محبتِ اسلام، انجام دیں اور اِسی خیال میں اُن کا مدرسہ میں تشریف لانا اور رہنا باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہوں۔'' (خطوط سرسید صفحہ نمبر ۱۸۲)۔

Marfat.com

اِسی طرح مدرسہ ندوۃُ العلماء اور ایم.اے.او.کالج میں باہمی روابط زمانہ قیام ہی سے پائے جاتے ہیں۔ ندوۃُ العلماء ۱۸۹۸ء میں خاتون منزل لکھنؤ میں قائم ہوا لیکن ۱۸۹۴ء میں ندوۃُ العلماء کی تاسیس کے سلسلے میں منعقد ہونے والا اجلاس بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے مہتمم مولانا محمد علی مونگیری کی طرف سے سرسید کو اطلاع مع تفصیلات پروگرام بھیجی گئی اور شرکت کی دعوت دی گئی۔ سرسید خود تو شریک نہ ہو سکے لیکن نیک خواہشات اور مدرسہ کی کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ مفصّل پیام ارسال فرمایا (تاریخ ندوۃُ العلماء، سید محبوب رضوی)۔

سرسید کے اکثر مضامین و کتب مصالح امت اور محبتِ اسلام کے آفریدہ تھے۔ مذہبی فکر اور عقیدت اُن کی تالیفات سے ثابت ہے۔ ''تحفۂ حسن'' رسومِ خانقاہی پر اُن کا ''کلمۃ الحق'' راہِ سنّت و ردِّ بدعت اور نمیقہ فی بیان مسئلہ تصور شیخ اور امام غزالی کی کیمیائے بیعات کے دیباچہ کے اردو تراجم میں بھی سرسید کی مذہبی فکر کی مہک آتی ہے۔

''تبیّن الکلام'' نے اردو میں مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعہ کی بنیاد ڈالی۔ سرسید نے اسلامی کتب کا وسیع مطالعہ کیا۔ آیت اللہ الکاہلہ کے نام سے حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ کیا۔ آپ نے مسلمانوں کی اصلاح و مفاد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بہت سی تحریریں شائع کیں۔ ''ابطالِ غلامی'' لکھ کر یہ ثابت کیا کہ اسلام نے غلامی کو باطل ٹھہرایا۔ بہت سے مضامین مثلاً خلافت، خلافت و خلیفہ، امام اور امامت عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہمی مودت واتحاد، سلطان اور ہندوستان کے مسلمان۔ ناسخ و منسوخ۔ قرآن مجید کی قسمیں، پردہ۔ لکھتے ہیں ''عورتوں کا پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے اُس کو بہت عمدہ سمجھتے ہیں اور امہات المؤمنین کا جواب وغیرہ۔

سرسید نے ملک کی مسلم خواتین کی اصلاح وفلاح سے متعلق مضامین بھی لکھے، مثلاً ''عورتوں کے حقوق (۱۲۸۸ھ) عورتوں کو کس طریقہ سے تعلیم دینی چاہیے۔'' ''شرفا کو بھی عورتوں کی تعلیم (۱۸۶۹ء) کی جانب توجہ دینی چاہیے۔'' اس مضمون کا ایک اقتباس یہ ہے ''میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اُن ثواب کے کاموں کو برا جانتا ہوں یا اُن کی کچھ حقارت کرتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ میں اصلی قومی ہمدردی کو ذہن نشین کرنے میں کوشش کروں اور دوسرے کاموں سے جو امتیاز ہے اُس کو بتلاؤں۔''

''خطباتِ احمدیہ'' ولیم میور کی ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں لکھی۔ ''خطباتِ احمدیہ'' اور ''تفسیر القرآن'' میں بڑی حد تک سرسید نے مذہب و سائنس کے درمیان موافقت و مطابقت دکھائی اور ثابت کیا کہ سائنسی تحقیقات جوں جوں ترقی کرتی جاتی ہیں، وہ اسلام کی حقانیت وصحت کو ثابت، مستحکم اور غیر متزلزل بناتی جاتی۔ سرسید علیہ الرحمہ کی تفسیر بھی تفسیر بالرائے کے مکتبِ فکر سے متعلق ہے۔ سرسید احمد خاں پر نکتہ چینی معجزات کے ظہور، جنات، جنت و دوزخ، ملائکہ، معراج، جسمانی کے وقوع کا انکار، اجماع کو حجت نہ ماننا اور قرآن کریم میں نسخ کو تسلیم نہ کرنے پر ہوئی۔ محسنِ قوم کی نیت صحیح و سالم رہی۔ معاملہ یہاں صرف فکری لغزش کا تھا۔ اس کا اندازہ آپ پر ہوئے اعتراضات اور پند و نصائح کے لیے لکھے گئے خطوط کے جواب سے ہوتا ہے۔

اکابر علماء نے جو کچھ لکھا اُن میں سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک اہم رکن مولانا حکیم سید عبدالحیٔ نے بھی سرسید کو پند و نصائح سے بھرپور خط لکھا۔ سرسیدؒ نے جواب میں خط لکھا ''آپ کا نوازش نامہ مملو از نصائح ارجمند پہنچا۔ میں آپ کی عنایت و ہمدردیٔ اسلامی کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

Marfat.com

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ°(آمین)" (مکاتبِ سرسید)

سرسید احمد خاں علیہ الرّحمہ نے مِلّتِ اسلامیہ کو سربُلند کرنے اُن کے حال زار کو بہتر بنانے کے لیے اپنا عِلم و عقل، شعور، فکر، وقت اور دولت بلکہ تمام زندگی صرف کر دی۔ اب ہم سب کو دانائی اور بینائی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

انقلابات جہاں واعِظ رب ہیں دیکھو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافْهم فافْهم۔

........•:0:•........

"حضرت شیخ احمد سرہندی کی شخصیت بحیثیت ایک مصلح"

(۹۷۱ھ تا ۱۰۳۴ھ)

جناب مجدد الف ثانی ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ یعنی ۲۶ر جون ۱۵۶۴ء کو مقام سرہند میں پیدا ہوئے۔ نام احمد تھا۔ لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات۔ نسبِ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب مخدوم عبدالاحدؒ اور سرہند کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ سیالکوٹ میں علامہ کمال الدین کشمیری سے فیض حاصل کیا۔ حدیث میں آپ کے سب سے مشہور استاد شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ تھے۔ قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر واحدی مع دیگر مؤلفات واحدی (مثلاً بسیط و وسط اور اسباب نزول اور تفسیر بیضاوی اور قاضی بیضاوی کی ''منہاج الوصول'' وغیرہ)۔

حضرت مجدد کی اکثر صلاحیتیں خداداد تھیں۔ اپنی تمام عمر میں تین بزرگوں کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے:

۱۔ اپنے والد صاحب مخدوم عبدالاحدؒ ۲۔ دوسرے حضرات خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ۔
۳۔ تیسرے شیخ یعقوب صرفی۔ اِن کا بھی شیخ احمد سرہندیؒ کی علمی اور روحانی زندگی میں ایک اہم مقام ہے۔

جب حضرت مجدد علوم عقلیہ اور نقلیہ سے استفادہ کر چکے تو سرہند میں درسِ علوم کا

سلسلہ شروع کیا اور مدت تک طالبان علوم کو فیوض و برکات سے بہرہ ور کرتے رہے۔ اس کے بعد اکبر آباد تشریف لے گیے۔ ابوالفضل اور فیضی سے کئی بار ملاقات ہوئی اور بعض اختلافات کے باوجود دونوں بھائی آپ کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت جامع صفات تھی۔ آپ کی طرز تحریر میں قوسِ قزح کے سارے رنگ ہیں۔ زورِ خطابت، متکلمانہ موشگافی، علمی متانت اور اُن سب میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت۔

شادی:

حضرت مجدد عرصے تک اکبر آباد میں رہے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحد آئے اور (اکبر آباد سے) سرہند واپس لے گیے۔ واپسی پر شیخ سلطان ایک مقرب شاہ ہند کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عقد کی بابت حضرت محمدؐ سے شیخ سلطان کو خواب میں علم ہوا تھا............... اِس کے بعد نئی حویلی بنوائی جہاں آج کل مصلح قوم (حضرت مجدد الف ثانی)) کا روضۂ مبارک اور محلّہ ہے آپ کی اولاد کا (سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی از مولانا احسان اللہ گورکھپوری صفحہ ۷۵)

حضرت مجدد کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے۔ اُن میں تین صغر سنی میں انتقال کر گیے تھے۔ اُن کے نام شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ اور شیخ محمد اشرف تھے۔ بڑے بیٹے خواجہ محمد صادق تکمیلِ علوم و سلوک کے بعد ۱۰۲۵ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں راہیٔ ملکِ بقاء ہوئے۔ تین صاحب زادے خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد یحییٰ حیات رہے اور اُن کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا:

ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است۔

(زبدۃ المقامات)

Marfat.com

حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی کابلی ثم دہلوی (خواجہ باقی باللہ) سے شرف بیعت حاصل کیا۔ شیخ صاحب نے مجدد الف ثانی کے بارے میں فرمایا تھا:

شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں سیارگاں درضمن ایشاگم اند (زبدہ المقامات صفحہ ۳۳۰)۔

ترجمہ: شیخ احمد وہ آفتاب ہے جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔

کچھ عرصے سرہند مقیم رہ کر شیخ کے ارشاد پر لاہور کا رُخ اختیار کیا۔ وہاں ایک جم غفیر نے پُر جوش استقبال کیا۔ مولانا طاہر لاہوری جو بعد میں حضرت مجدد کے اجلّۂ خلفاء میں ہوئے مولانا حاجی محمد مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے۔

آپ نے رسالہ ردِّ روافض لکھا۔ رسالہ اصل میں اُس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اُس وقت بھیجا جب عبد اللہ خاں ازبک نے ۸۹۔۱۵۸۸ء میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ امرو سلاطین کی مجلسوں میں اُس دور کے مذاکروں میں اپنی بحثوں میں مشہد کے تذکرے بھی کرتے تھے اور آپ اُن کی تردید کرتے تھے لیکن خیال ہوا کہ اِس موضوع پر ایک مستقل رسالہ سپردِ قلم ہونا چاہیے تاکہ عوام النّاس میں پھیلی غلط فہمیاں دور ہوں۔

رسالہ تہلیلیہ لکھا۔ اُس میں کلمہ طیّبہ کے متعلق مختلف امور پر بحثیں ہیں۔ آخری حصہ بابِ کلمہ طیّبہ کے جز ثانی یعنی رسالتِ محمدیہ ؐ کے متعلق ہے۔ آپؐ کے فضائل، معجزات اور اخلاقِ کریمہ اور اوصافِ عظمیہ کا ذکر ہے۔

رسالہ ''اثبات النبوت'' اور رسالہ تہلیلیہ میں کئی چیزیں مشترک ہیں۔ ''اثبات النبوت'' میں صوفیانہ رنگ بہت ہلکا ہے۔ رسالہ تہلیلیہ میں بہت نمایاں ہے۔ رسالہ تہلیلیہ

Marfat.com

عام مسلمانوں کے لیے لکھا گیا۔ اِس میں آپ نے اُسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے جو شیخ محی الدین ابنِ عربی کا تھا۔

رسالۂ تہلیلیہ کی تالیف کے بعد حضرت مجدد نے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ جس میں شرع کی پابندی ہے اور اس بیعت کے بعد آپؒ نے وحدت الشہور کی توضیح کی۔

شیخ احمد اپنی تحریری صلاحیتوں کو تقوتِ دین اور ترویجِ سلسلہ کے لیے استعمال کیا۔ ''معارف لدینہ'' میں زیادہ تر معرفتِ الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے۔ شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور اُن نام نہاد صوفیہ کی مذمّت کی ہے جو شریعت کے مخالف باتیں کرتے ہیں۔

''جداء و معاذ'' میں حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمود صدیق بدخشی نے اُن کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں۔ مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے۔ کئی اندراجات سے حضرت مجدد کی اپنی روحانی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

تعلیقات برشرح رباعیات خواجہ باقی باللہ لکھی۔ آپ نے اُن کی وضاحت اپنے معارف خاصہ اور حضرت خواجہ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی۔ ایک اور تعلیقات، عوارف کا نام بھی تذکروں میں آتا ہے۔ اِس کے علاوہ ارشاد المریدین ہے: ''مکاشفات عینیہ مجددیہ'' کے تاریخی نام سے ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں نے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔

خانگی حوادث سے حضرت مجدد نے ارشاد و ہدایت میں ذرا ضعف نہ آنے دیا۔ ایک خط میں خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں ''یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ صبر و شکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے۔ اس خط میں تسلیم و رضا کا ذکر ہے

لیکن متعدد خطوط ایسے ہیں، جن سے خیال ہوتا ہے کہ معاملہ تسلیم و رضا سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

حضرت مجدد نے تنِ تنہا اکبری الحاد کا قلع قمع کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں لکھا۔

شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا۔ ہندوستانی علماء و مشائخِ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے؟ لیکن مفاسدِ وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا وجودِ گرامی ہی تنِ تنہا اِس کاروبار کا کفیل ہوا۔ (تذکرہ صفحہ ۲۳۸)۔

پھر فٹ نوٹ میں مزید اضافہ کیا: عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان (حضرت مجددؒ) کی تجدید محض ردِ کفر بدعات کم علم صوفیہ و تحقیق بعض معارف، تصوّف اور اعلان و اشتہارِ توحید شہودی میں منحصر ہے۔ حالانکہ معاملہ اِس سے کہیں زیادہ ہے۔

آپ نے خان خاناں سید صدر جہاں اور مرتضٰی خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل تھا اور حضرت مجدد کی عظمت و عقیدت بھی اُن کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

۱۰۲۶ء میں شیخ نے تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات فرمائے اور رجوعِ عام کیا۔ آپ نے بہت سے خلفاء ہدایت کے لیے مختلف مقامات پر بھیجے۔ ستّر (۷۰) مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کیے، چالیس (۴۰) مولانا فرّخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے۔ دس (۱۰) ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرات، مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس (۳۰) مولانا

شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراساں گیے اور اُن سب کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بندگانِ خدا نے اُن سے فائدہ اُٹھایا (روضۃ القیومیہ)۔

شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ کیا۔ اُن سے ارشاد و ہدایت اور افادۂ علومِ دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہندوستان میں تو مشکل سے ہی کوئی شہر ہوگا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی اللہ دینے کے لیے موجود نہ ہوں۔

جہاں گیر نے آپ کو طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے لیکن آدابِ شاہی جو خلاف شرع تھے، ادا نہ کیے۔ ایک درباری نے بادشاہ کو اس طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی۔ شیخ احمد نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا اور رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے۔ اِس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے۔ نہ سجدۂ تحیہ سلاطین کیا (حضراب القدس، ۱۱۷)۔

نتیجہ میں آپ گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیے گئے اور آپ کے اموال وغیرہ ضبط کر لیے گیے۔ آپ نے اپنے رفقائے زنداں میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے شروع کر دیا اور پسِ زنداں "یٰاَصَاحِبَیِ السِّجْنِ أَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ہ (یوسف)" کی آواز اِس بلند آہنگی سے بلند کی کہ قلعہ کے در و دیوار گونج اُٹھے اور اُن کی آواز باہر بھی سنی گئی، کئی ہزار غیر مسلم قیدی مشرف با اِسلام ہوئے اور سیکڑوں قیدی ارادت و صحبت سے سرفراز ہو کر درجاتِ عالیہ تک پہنچے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ج۔۴، صفحہ ۱۷۰)۔

ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب "Preachings of Islam" میں ہے۔ شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء۔۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید

Marfat.com

میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اُس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا، اُن لوگوں نے کسی بہانہ سے اُنہیں قید کرادیا، دو برس وہ قید میں رہے اور اُس مدت میں اُنہوں نے اپنے رفقائے زنداں میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوشِ اسلام بنالیا (طبع ثالث صفحہ ۴۱۲)۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس میں تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں ہے: ''شیخ احمد مجدد تھے، جو ناحق قید کر لیے گیے تھے۔ اُنہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا'' (ج۔۸، صفحہ ۷۴۸)۔

۱۰۲۹ھ (مئی ۱۶۲۰ء) میں رہائی ہوگئی۔ بڑی عزت اور احترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ کا شہزادوں نے پر جوش استقبال کیا۔ صحیح الاعتقاد امراء اور اراکینِ سلطنت پر آپ کے قید ہو جانے سے برا اثر پڑا تھا۔ کئی جگہ شورش اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے تھے۔ (مکتوب۔۲ بنام حضرت خواجہ محمد سعید)۔ رہائی کے بعد بادشاہ نے اپنے ساتھ چند یوم رہنے کی درخواست کی اس دوران بھی آپ نے اپنے پند و نصائح سے شاہ اور درباریوں پر اچھا اثر ڈالا۔

آپ اپنے خدام و رفقاء کو بھی بکثرت دوامِ ذکر، حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور فرماتے: ''یہ دنیا دار العمل ہے اور مزرعۂ آخرت حضورِ باطن کو آداب و اعمالِ ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہیے۔''

آپ کو مسائل فقہ میں ملکہ حاصل تھا لیکن احتیاط کے طور پر معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے اور سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ترجیح دیتے ہوئے مسئلہ پر عمل فرماتے۔

Marfat.com

اصلاحِ دین کے سلسلے میں آپ سے متعلق یہ بات بڑی اہم ہے کہ اکثر آپ خود امامت فرماتے تھے اور اس کی وجہ ایک مرتبہ یہ بتائی کہ ''حضرات شافعیہؒ و مالکیہؒ کے یہاں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اِس لیے وہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھتے ہیں اور بہت سی احادیث صریحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اور جمہور فقہائے حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اِس لیے اس کی آسان صورت یہی معلوم ہوئی کہ خود امامت کروں۔

اپنے طالبین کو علو ہمت اور اتباعِ سنت اور دوامِ ذکر حضور اور خفائے حال کی تاکید فرماتے تھے۔ لوگوں کو شبِ عاشورہ اور شبِ قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے تھے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی کی ایک اہم اسلامی خدمت یہ ہے کہ آپ نے اِس سلسلۂ تصوف کی اشاعت کی جو اسلامی شریعت سے قریب ترین ہے۔ ہندوستان میں شروع ہی سے اسلام پر تصوف کا رنگ اِس قدر چڑھا ہے کہ بیسویں صدی کے شروع تک کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ کسی صوفیانہ سلسلے میں داخل ہوئے بغیر انسان اسلام کی برکات سے مستفید ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کی بڑی خدمت یہ تھی کہ ایک ایسے صوفیانہ سلسلے کو ترقی دی جائے جو بعض دوسرے سلسلوں کی طرح شرع سے آزاد نہ ہو۔ آپ نے اتباع سنّت اور اجتنابِ بدعت پر بڑا زور دیا۔ نہ اُس میں چلّہ کشی ہے، نہ ذکر بالجبر، نہ سماع بالمزامیر ہے۔ نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف و چادر اندازی، نہ ہجوم عورات، نہ سجدۂ تعظیمی، نہ سر جھکانا، نہ بوسہ دینا، نہ پیروں کی قدم بوسی، نہ توحیدِ وجودی، طریقت کے مقابلہ شرع کی

Marfat.com

اہمیت وفضیلت واضح تھی، تعلیمِ دینی کو تعلیم سلوک پر مقدم رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کو تمام اولیہ سے بزرگ تر مانتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ''حال تابع شریعت ہے، نہ شریعت تابع احوال۔''

آپ نے دیکھا کہ صوفیائے متقدمین کے کلام کی خلاف شرع ترجمانیاں ہوتی ہیں تو آپ نے مکتوبات میں تشریح اور تاویل کر کے اُنہیں شرع کے مطابق ثابت کیا۔

آپ نے عقیدہ وحت الوجود کی نئی توجیہ کی اور وحدت الشہود کا نظریہ قائم کر کے مسلمان صوفیا اور علماء کے اختلافات دور کر دئے۔ آپ خود ایک مدّت تک وحدت الوجود کی منزل میں سرگرداں رہے تھے۔ (دفتر اول مکتوب۔۳۱) لیکن عالم اور محبّ شرع ہونے کی وجہ سے اِس گتھی کو سلجھایا۔ فرمایا: مقامِ وحدت الوجود سالک کو ابتداء سے سلوک میں پیش آتا ہے، جس سے اُسے گزر جانا چاہیے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے اُس پر مقامِ وحدت الشہود منکشف ہوتا ہے جو شرع کے مطابق ہے۔

ایک عالم وعابد مصلح کی حیثیت سے آپ کا بڑا کام ردِ بدعت ہے۔ نئے فرقوں اور نئے طریقوں سے نہ صرف دین میں رخنے پیدا ہوتے تھے بلکہ اسلامیانِ ہند کے اجتماعی نظام میں بھی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کا عام احیاء کا کام بڑا اہم تھا جو آپنے بڑی کوشش کے ساتھ کیا، عمل سے، قلم سے اور تقریر سے ہر طرح کوشاں ہوئے۔ شعائر اسلام کے احترام پر زور دیا۔ امراء وارا کینِ سلطنت کو اِس کی تلقین کی۔ اسلام پسند طبقہ کی ہمتیں بلند ہوئیں، قوت ملی، آداب ورسوم جو عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہوگئی تھیں اُن کے ازالے کا سامان ہوا۔ ایک روحانی یکسانیت اور تنظیم کے آثار نمایاں ہوئے۔

Marfat.com

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب وسنّت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں، نیم جو کے برابر پسند نہیں کرتے'' (خط۔ج ا۔۲۰۷)۔

جارحانہ ہندو احیائیت اور حضرت مجدد کا ردِ عمل:

آپ نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب ایک مسلمان بادشاہ کے عہدِ حکومت میں مسلمان احکامِ اسلامی جاری کرنے سے عاجز تھے۔ آپ کو اس کا بڑا احساس اور غصہ تھا۔ اُس وقت ہندوؤں میں احیائے مذہب کی تحریک زوروں پر تھی اور اطرافِ ملک میں اس کے جو مظاہرے ہوئے تھے حضرت کو اُن واقعات کا بڑا قلق تھا اور اُن کے دل میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اُٹھی، کسی بھی دور میں اگر کچھ اِس طرح کے حالات ہوتے ہیں تو یقیناً اسلامی حمیتّ سے مزیّن زندہ خون جوش میں آتا ہے۔ اگر ایسا نہ محسوس ہو تو قوم کے بزدل خودغرض عیّاش لوگ قوم کو مردہ بنانے میں مددگار ہوتے ہیں۔ صالح علم وعمل، قول وفعل ورنہ سیف کے استعمال پر جی دارا اور رگ وپے میں گرم خون رکھنے والوں کو آمادہ کر دیتا ہے۔

آپ ایک خط میں لکھتے ہیں: پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری ہے۔ بقدرِ ضرورت اُن کے ساتھ میل جول رکھا جائے اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اِس دنیاوی غرض سے بھی درگزر کریں اور اُن کی طرف نہ جائیں۔ اِسی کے ساتھ آپ نے مکتوب۔۲۲ میں المشرکون نجس کی تاویل مشرکوں کے حق میں کی ہے اور املا مقصود علی تبریزی کو لکھا ہے۔ آپ خلقِ خدا پر رحم کریں اور عام طور پر اُن کی نجاست کا حکم نہ دیں۔ جہانگیر نے فتح کانگڑہ کے لیے ایک ہندو جرنیل کو مامور کیا تو مجدّدی تذکرہ نگاروں نے بیان کے مطابق حضرت مجدّد نے اُسے دعا وبشارت سے سرفراز کیا۔ اُن کے ساتھ رواداری کو پسند کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی اصلاحی خدامات مُسلّمہ ہیں لیکن اُن کی اپنی زندگی ہی

Marfat.com

میں مکتوبات کی وجہ سے علماءِ وقت کے اعتراضات بھی ہوئے۔ صوفیہ کے اختلافات تو نظریۂ وحدت الشہود کی وجہ سے تھے۔ خواجہ محمد امین اور خود آپ کے مشکور خلیفہ اور سوانح نگار نے آپ کے اِس مکتوب کی عبارت کی توضیح چاہی تھی ''جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ (استغفر اللہ) رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات سے ایک ہزار سال بعد ایک فردِ اُمّت حضرت مجدّد کی وجہ سے مقامِ خلیلی سے مستجاب ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ حمید بنگالی کے نام ایک خط میں غلط فہمیوں کی تشریح و اصلاح کی ہے جو مقامات عروج میں اپنی فضیلت کے متعلق پیدا ہو جاتی ہیں، اس میں اپنے لیے لکھتے ہیں: ''میں توبہ و استغفار و انابت سے التجا کرتا تھا اور آجزی و زاری سے دعاء کرتا تھا کہ اِس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں اور اہلِ سنّت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سرِ مو منکشف نہ ہو۔'' (ج ا۔۲۲۱)۔ آپ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر احوال اور غیر معمولی نفسیاتی مشاہدات کو اہمیت دی جائے تو چونکہ ہر ایک کے مشاہدات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر ایک اپنے ہی مشاہدات کو حق مانے گا، جس سے روحانی اور مذہبی معاملات میں بدنظمی پیدا ہوگی۔

مرزا مظہر جانجاناں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اُن شبہات کا ازالہ کیا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''عرض شیخ، اثباتِ اصل خلت است آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) در اول امر بغیر توسّط اثبات خورد در فیضانِ خلت بر بنی آدم بآں معنی کہ بتوسط بعد ہزار سال مرد ماں حصہ ازاں خلت یافتند''

ایک جگہ آپ جواب میں لکھتے ہیں ''وہ انتفاع و استفادہ جو صاحبِ دولتوں کو

Marfat.com

غلاموں اور خادموں کی جہت سے میسر ہوتا ہے، کوئی ممنوع و مخدوش نہیں اور نہ ہی ان کا کسی قسم کا قصور و نقصان ہے، بلکہ صاحبِ دولتوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت ہی میں ہے۔'' (ج۲۔ مکتوب نمبر۔٦)۔

الغرض حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام دیا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں تجدید کہا گیا ہے۔ آپ نے روح و فکرِ اسلامی کی جلا و تازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدِ باب کیا۔ نبوّتِ محمدی (ﷺ) اور شریعتِ اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سرِ نو اعتقاد و اعتماد بحال کرنے میں پوری زندگی کوشش و کاوش میں لگے رہے۔

آخری عمر میں آپ سرہند تشریف لے گیے۔ خلوت اختیار کر لی۔ نمازوں کے لیے گھر سے نکلتے تھے ورنہ گھر ہی میں قیام رہتا تھا۔ عبادت و صدقات میں اضافہ ہوا۔ دمے کا بڑا سخت حملہ ہوا۔ آپ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۶۲۴ء کو دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

……••:0:••……

Marfat.com

"مفکرِ اسلام
شیخ ابوالحسن علی الندوی"

۱۹۴۷ء کے ناگفتہ بہ حالات سے مسلم قوم سخت متاثر تھی۔ شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اس دور میں شیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی نے قوم کے لیے زبردست محنت و مشقت کی۔ احیا اسلام اور بقاءِ مسلمین کے لیے عربی اور دینی علوم کے اعلیٰ درجہ کے مدارس پورے ملک میں قائم کر دئے۔

اسلامی ماحول کے دوبارہ قیام کے لیے انتھک کوشش و کاوش میں عمر عزیز کا بہترین وقت اور مال وزر سب کچھ لگا دیا۔

علی میاں قوم کا درد محسوس کرنے والے مفکرِ اعظم تھے۔ اِس کے ساتھ ایک خاص بات یہ تھی کہ احساس کر کے محض کفِ افسوس مل کر رہ جانے والوں میں نہ تھے بلکہ عمل اور جدو جہد میں یقین رکھنے والے انسان تھے۔

مفکرِ اسلام علی میاں بیسویں صدی کی ہمہ گیر تاریخ ساز شخصیت تھے۔ آپ ایک جید عالم، محقق، مصنف، ادیب، انشاء پرداز اور مورّخ تھے۔ باوقار اور قوم کے قابلِ اعتبار قائد تھے۔

آپ نے ادیب ہونے کی حیثیت سے اردو اور عربی ادب میں یعنی اسلامی ادب میں اپنی تصنیفات اور تحریروں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے نمونہ پیش کیے۔

عربی زبان کے فصحاء وادباء اتنے متاثر ہوئے کہ سب نے متفقہ طور پر ہندی نیژاد

Marfat.com

ہونے کے باوجود آپ کو ایک زبردست عربی داں تسلیم کیا۔

آپ نے اپنی پہلی کتاب ''سیرتِ سید احمد شہید'' میں سید صاحب کی سوانح اور اُن کی تحریکات کا خاکہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں میں اصلاحی اور انقلابی جذبہ کو جگایا۔ آپ نے اس کتاب میں دینِ خالص، جہاد فی سبیل اللہ اور خلافتِ راشدہ کی بنیاد پر حکومتِ شرعیہ کی تشکیل جیسے مسائل کو قوم کے سامنے رکھا اور مسلمانوں میں جان و مال کی قربانی کے جذبہ کو اُبھارا۔

اسلام پر ہونے والے مستشرقین کے اعتراضات پر علی میاں نے ضرب کاری لگائی۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۳ء ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' عربی زبان میں لکھی گئی۔ اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کو عالمی شہرت نصیب ہوئی۔ اِس کتاب کا مقصد مسلمانوں کی تعمیرِ نو اور اسلامی تہذیب و تمدن کا نشاۃِ ثانیہ تھا۔

اگر علی میاں کو بیسویں صدی کا مجدد کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا۔ مندرجہ بالا کتاب کو حکومتِ سعودیہ کی وزارتِ تعلیم نے اپنے نصابِ تعلیم میں جگہ دی۔

''ردہ ولا ابابکر لہا'' لکھ کر دفاع کا جذبۂ اسلامی دنیا میں موجزن کرنے کی کوشش کی۔

۱۹۵۹ء میں مجلسِ تحقیقات و نشریات کی بنیاد رکھی۔ مسلم وومن پروٹیکشن بل اور متبنیٰ بل پاس کرائے۔

''تاریخِ دعوت و عزیمت'' میں آپ نے بزرگانِ دین کے دعوتی کارناموں اور اسلام کی خدمت کو نمایاں کیا۔ یہ کتاب دعوتِ اسلام کے اصولوں کا ایک خزانہ ہے۔

''نبیٔ رحمت (ﷺ)'' سیرتِ طیبہ، قدیم و جدید معلومات سے پُر ہے۔ ''المرتضیٰ''

Marfat.com

حضرت علی کی خصوصیات وکمالات اور مصلحانہ کردار اور مربیانہ شفقت کی مظہر ہے۔ ''نقوشِ اقبال'' میں علامہ اقبال کے نظریات اور روشن خیالات کو امتِ مُسلِمَہ کے سامنے رکھا۔ ''مطالعہ قرآن کے اصول ومبادیات'' آپ کی وہ اہم کتاب ہے جس میں آپ نے علومِ قرآنی اوراعجازِ قرآنی پر روشنی ڈالی ہے۔ ''ارکانِ اربعہ'' میں مذہب اور تمدّن کو پیش کیا۔ ''منصبِ نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین'' میں اور دوسرے مضامین میں آپ کی تمام تر کوشش احیاءِ ملّت ہے۔

علی میاں کی اور کتابیں ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش''، ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' ''حضرت مولانا محمد الیاس اور اُن کی دعوت''۔ اور بھی آپ کی تصنیف کردہ کتب قوم کو راہِ اسلام پر گامزن کرنے کی اعلیٰ کوشش کا بہترین نمونہ ہیں۔

ندوۃُ العلماء کے ناظم ہونے کی حیثیت سے علی میاں نے اس کی علمی اور عملی ارتقاء اور اُس کو عالمی ادارہ بنانے میں وہ انقلابی اقدامات اُٹھائے جن کے نتائج آج ساری دنیا کے سامنے ہیں۔ ندوۃُ العلماء اسلامی تہذیب کا گہوارہ اور اصلاح وتربیت کا عالمی مرکز ہے۔

آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر تھے، آپ کی جد وجہد کے سامنے مخالفین کو جھکنا ہی پڑا۔ شیخ ابوالحسن علی الندوی حقیقت پسند تھے۔ دینی علوم کے ساتھ دنیا کے علوم اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہتے تھے۔

آپ کئی بار علی گڑھ تشریف لائے۔ ۲۶/اپریل ۱۹۹۸ء میں صوبائی، دینی تعلیمی کنونشن میں بھی علی گڑھ آئے تھے۔ آپ نے اپنے خیالات سے فیض یاب کیا اور مسلم

Marfat.com

یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ سے کہا تھا کہ وہ ''عام انسانوں کے لیے کوشش کریں اور خدمتِ خلق کے جذبہ کو فروغ دیں۔'' اِسی کنونشن میں علی میاں سے میری ملاقات ہوئی تھی۔

علی میاں آزادی کی تحریک چلانے والوں کے ہمدرد تھے اور اُنہیں ہمیشہ عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

آپ کی قیادت صرف اپنے ملک ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی۔ ملک سے باہر اسلامی مرکز آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن، رابطہ عالمِ اسلامی مکہ المکرّمہ، عربی اکیڈمی دمشق۔ مؤتمر عالمِ اسلامی، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر، جنیوا تک تھی۔ اِن کے علاوہ بھی مختلف ممالک میں پہنچے۔ دینی علوم اور عربی سیکھنے اور سکھانے کا وہ حق ادا کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علی میاں کی اعتدال پسندی، دنیا اور متاعِ دنیا سے بے رغبتی قوم کی وسیع اور عظیم خدمات انجام دینے میں بہت کام آئیں۔ ۱۹۸۵ء میں آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ یہ پوری رقم آپ نے مجاہدینِ اسلام کو دے دی۔

۱۹۹۸ء میں علی میاں کو عظیم شخصیت تسلیم کیا گیا۔ اِس سلسلے میں حکومتِ دبئی نے ولی عہد راشد المکتوم کے ہاتھوں ایک گراں قدر انعام دیا۔ آپ نے یہ ساری رقم بھی اسلامی اداروں اور عربی مدارس میں تقسیم کر دی۔

خادم الحرمین شریفین شاہ فہد کے بعد مولانا علی میاں دوسری عظیم شخصیت تھے جن کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی تھی۔ سچا، پاک باز، راسخ العقیدہ، خادمِ اسلام بن کر آپ نے اپنے وطن ہندوستان کا سر بلند کر دیا۔

ہر دور اور ہر مقام میں کم وبیش کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اعلیٰ مقاصد میں گامزن حضرات کی راہوں میں کسی نہ کسی طرح رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں ندوۃُ العلماء کے طلباء نے اسٹرائیک (ہڑتال) کی، ایک یا دو استاد بھی اُن کے حامی تھے لیکن مُفکرِ اسلام اپنی فراست اور حکمتِ عملی سے لوگوں کو راہِ راست پر لے آئے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جناب علی میاں کی پیدائش ۱۹۱۴ء کی ہے اور آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں خواتین کا پڑھنا لکھنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ علی میاں کے والد صاحب سید عبدالحئی اور دوسرے بزرگ آپ کے نانا صاحب سید ضیاء اتنے روشن خیال اور علم دوست تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ خیر النّسا بہتر، بہن امۃ العزیز اور دوسری بہن امۃ اللہ تسنیم بڑی قابل لائق اور پڑھی لکھی بلکہ مصنّفہ اور شاعرہ تھیں۔ والدہ صاحبہ حافظہ قرآن مجید تھیں۔

عالمِ اسلام کی ایک انجمن، اپنے میں خود ایک ملّت ہے۔ سید ابوالحسن علی الندوی کی وفات ۲۲ ؍ رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ ؍ دسمبر ۱۹۹۹ء میں ہوئی۔ تکیہ رائے بریلی میں جسمِ خاکی دفن ہوا، لیکن اعلیٰ صفات، بلند کردار کے نقوش اور بے لوث و پُر خلوص کارناموں کو زندۂ جاوید چھوڑ گیے۔

........•:0:•........

Marfat.com

”شیخ محمد عبد اللہ اوراکیسویں صدی سے مطابقت رکھتی ہوئی اُن کی دوررس نگاہ“

تاب ناک مستقبل کی طرف گامزن رہنے اور ادوار کی ایسی دھول کو اپنے اوپر سے ہٹانے کے لیے جس کی وجہ سے وسیع النظری ملی یکجہتی، حق پسندی اور مستقل مزاجی اور قوم کی فکر، جیسے حسین اور لطیف جذبات کا آئینہ دھندلا پڑ جاتا ہے۔ اپنے بزرگ محسن اور بہی خواہوں کو یاد رکھنا قول اور عمل دونوں میں بہت ضروری ہے تا کہ اُن کی دوراندیش تجاویز و نصائح اُن کے قائم کردہ خدوخال اور اندازِ فکر سے رہنمائی حاصل ہو سکے۔ اُن کے قائم کردہ اداروں کی حفاظت کریں اور مضبوط بنائیں۔

شیخ محمد عبداللہ اِنہی بلند پایہ ہستیوں میں سے ہیں۔ تعلیمِ نسواں یعنی قوم کے ایک بازو کی تعلیم و تربیت کے لیے بے غرض جدو جہد میں عمر عزیز کا بہترین وقت، عقل، قوت، مال سب کچھ لگا دیا۔ لگاتے گئے اور خوش ہوتے گئے۔ شیخ آج ہمارے لیے راہنما بلکہ عظیم راہنما۔ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بیگم عبداللہ وحید جہاں نے اُن کا پورا ساتھ دیا۔ آخری دم تک درس گاہ اور طالبات کی فلاح کے لیے جدو جہد کرتی رہیں۔ آپ کے مدرسہ ہائی اسکول، انٹر کالج اور اُس کے بعد ویمنس کالج اے. ایم. یو. کے دروازے ملک کے ہر مذہب، فرقہ اور ہر جگہ کی لڑکیوں کے لیے کھلے رہے اور کھلے ہیں۔

قومی یکجہتی کا شیخ صاحب نے عملی ثبوت دیا۔ لڑکیوں کی جدید تعلیم کے محرک شیخ محمد

عبداللہ نے ۱۹۰۶ء میں وہ سوچا اور سوچ کو عملی شکل دی جو لوگ آج ۲۱ ویں صدی میں سوچ رہے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں وہ قدم جو آپ نے اُٹھایا، ایک امرِ محال تھا۔

۲۱ رجون ۱۸۷۴ء کشمیر کے پنڈت گھرانے میں ولادت ہوئی۔ ۱۸۹۱ء میں علی گڑھ تعلیم کے سلسلے میں آئے شیخ محمد عبداللہ نام سے متصف اور موسوم ہو کر اُسی نام سے داخلہ لیا۔ آج آپ ہند میں بلکہ اگر کہا جائے دنیا میں تو بھی صحیح ہوگا، معزز و محترم ہو کر مشہور ہوئے کیونکہ آپ کی روحانی بیٹیاں آپ کے اداروں سے فیض یافتہ مختلف ممالک میں ہیں۔

میں امید کرتی ہوں کہ پاپا کے مہکتے چمن کے پھول یہاں کی طالبات سوشل ورکر، اساتذہ، ادیب مصنفہ سائنس داں، ڈاکٹر، انجینئر بننے کے ساتھ قابلِ فخر شہری، اچھی بیٹیاں، بہنیں، بیویاں، بہترین مائیں اور خود اپنی ہستی اور شخصیت کی حق شناس بھی ثابت ہوں تاکہ اُن کے دم سے خرابیاں فساد، گھوٹالے عوام کا خون چوسنے والی روایات کا خاتمہ ہو سکے۔

آج بڑے پیمانے پر بے حسی کا جمود ہے۔ بگاڑ تقریباً اوپر سے نیچے تک جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ لوگوں کو سکون کی سانس لینا مشکل ہے۔ قدم قدم پر خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ آج پاپا میاں شیخ عبداللہ کی بیٹیوں کو تقریر و تحریر عمل اور ردِ عمل سے میدان میں آنا ضروری ہو گیا ہے۔

اچھے طالبِ علم ہونے کے ساتھ آپ گھوڑ سواری میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اے. ایم. یو. کے پہلے طلباء میں سے جنہوں نے گھوڑ سواری سیکھی یونین میں بحث و مباحثے میں گرم جوشی سے حصہ لیتے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں بہترین مقرر کا انعام کیمبرج اسپیکنگ انعامیہ تمغہ ملا۔ علامہ شبلی نعمانی اور آرنلڈ کی قائم کردہ اخوان الصفاء، ادبی، انجمن میں ہر ماہ برابر

Marfat.com

شریک رہتے۔ اچھے اہلِ قلم تھے۔ سر سید احمد خاں شیخ صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اُن کی خواہش کے مطابق علی گڑھ کو وطن بنالیا۔ ایرانی نسل دردی اصفہانی سر سید اور اُن کی تحریک کی مخالفت میں مضامین لکھتا تھا۔ شیخ صاحب نے اخباروں کے ذریعہ اُن کا جواب دیا۔

۲رفروری ۱۹۰۲ء کو اپنے کالج اور کلاس کے ساتھی جناب بشیر مرزا کی چھوٹی بہن وحید جہاں سے شادی ہوئی۔ اُن کے والد مرزا محمد ابراہیم بہت روشن خیال، وسیع النظر اور وسیع القلب تھے۔ اِن خوبیوں کے سائے میں پلی بڑھی اعلی بی نے اپنے شوہر شیخ عبداللہ کے حسین خیال کی بڑی ہمت افزائی کی اور اُن کے ساتھ تن من دھن سے تعلیمِ نسواں کے عظیم مقصد میں لگ گئیں۔

۱۹۰۶ء میں مدرسہ بالائے قلعہ یعنی اوپر کوٹ (شہر) میں کھولا۔ ۴رسال کے بعد ۱۹۱۰ء میں محلّہ بنی اسرائیلان میں منتقل ہوا۔

بیگم سکندر جہاں اور سعید جہاں، اوپر کوٹ کی ایک خاتون استانی اختری بیگم پہلی استانیاں تھیں۔

۱۹۰۸ء میں شہر سے باہر زمین خریدی گئی۔ یہ قطعہ نانک صاحب کا باغ کہلاتا تھا۔ ۷رنومبر کو پاپا میاں شیخ عبداللہ نے اِس زمین پر یو. پی. کی لفٹننٹ گورنر لیڈی پورٹر کے لفٹیننٹ ہاتھوں عمارت کا سنگِ بنیاد رکھوایا۔ عمارت تیار ہونے پر یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو نواب سلطان جہاں بیگم بھوپال نے ہوسٹل کا افتتاح کیا۔ یہ مسلمان لڑکیوں کا پہلا بورڈنگ ہاؤس تھا۔

۱۹۰۴ء میں پاپا نے خواتین میں عِلم بیداری کے مقصد سے ایک رسالہ جاری کیا۔ اس رسالہ "خاتون" کے ذریعہ عوام میں تعلیمِ نسواں کی اہمیت کا سکّہ جمانے کی کوشش کی۔ اس میں اُنہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ روایتی جکڑ بندیوں، بے جا رسومات، پست

Marfat.com

اور پژمردہ اندازِ فکر کو بدل کر ہی جمود کو توڑا جا سکتا ہے اور کسی بھی پُر وقار انقلاب کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

آج پاپا کے نظریۂ فکر و عمل پر غور کرنے اور اُن کے مطابق کام کرنے کی پھر سے ضرورت ہے تاکہ مزید آگے بڑھا جائے اور رکاوٹوں کو اکھاڑ پھینکنے کی قوت پیدا ہو۔

شیخ صاحب اپنے مقصد اور میدانِ عمل میں مخالفتوں کے زبردست طوفان بلکہ طوفانوں کی پرواہ کیے بغیر مردِ مجاہد کی حیثیت سے ڈٹے رہے اور آگے بڑھتے رہے:

اگر عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا
کتنے طوفان پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا

پاپا نے اپنے خواب اور عظیم جد و جہد کی تعبیر کو خود دیکھا۔ ۱۹۳۶ء میں اسکول اور کالج کا الحاق یونیورسٹی سے ہوا۔

شیخ عبداللہ اور بیگم وحید جہاں کی ہونہار صاحبزادیوں نے والدین کی تحریکِ تعلیمِ نسواں اور اُن کے قائم کردہ ادارہ کی محنت اور لگن کے ساتھ خدمت کی۔ مسز خاتون قمرین بڑی صاحبزادی ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک کالج کی پرنسپل رہی ہیں۔ محترمہ ممتاز جہاں وحید ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۵ء تک ویمنس کالج میں ٹیچر رہیں اور ۱۹۳۸ء سے ۱۹۷۰ء تک کالج کی پرنسپل رہیں۔ بڑی مستعدی اور لگن کے ساتھ پاپا کے باغ کی دیکھ ریکھ کی، کالج کا عروج دیکھا۔ پاپا کی صاحب زادیاں، رشید جہاں بیگم، محترمہ خورشید جہاں اور بیگم برجیس جہاں جو ہم سب کی خوش قسمتی سے آج ہمارے بیچ موجود ہیں، سب بڑی ہونہار علم دوست تھیں۔

پاپا نے سچائی کی تلاش کی، ٹھاکر داس سے شیخ محمد عبداللہ ہوئے۔ حق کی روشنی سے تاریک رات کو نورانی صبح دی۔ اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور مسلمانوں کی خودساختہ رسومات

Marfat.com

سے بیزاری کا اظہار کیا۔

شیخ صاحب نے ہر طبقہ کی عورتوں کا درد محسوس کیا اور اس کا مداوا تعلیم و ہنر میں تلاش کیا۔ سر سید احمد خاں نے جو راہ اپنائی وہ نہ تو محدود اور جامد تھی نہ غیر متوازن اور بے اعتدال تھی، تاکہ ملّت کو قدیم و جدید کے صالح عناصر سے آشنا اور ہم آہنگ رکھ سکیں۔ موجودہ دور میں پھر سے اِس طرز کی ضرورت ہے تاکہ اُبھرتے شہریوں کی مناسب اصلاح و تربیت ہو سکے۔ تعصّب، تنگ نظری، ناروا روایت پسندی اور تباہ حالی کے احساس کو مٹایا جا سکے۔ آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہو سکے۔ جو کھو دیا، کیوں کھو دیا، کہاں کمی رہ گئی، اس کا احساس جگا دیا جائے اور انسانی بصیرت بیدار کی جائے۔

آج اکیسویں صدی ہے۔ اب بھی لڑکیاں اتنی تعلیم یافتہ نہیں ہیں جتنی ہونی چاہئیں۔ اخباروں اور رسائل کی اطلاع کے مطابق مسلم لڑکیاں اور عورتیں صرف 50.1% تعلیم یافتہ ہیں جب کہ ہندوستان میں لٹریسی ریٹ مسلم مردوں کا 59.1% ہے (ہندوستان ٹائمس ۹ ستمبر ۲۰۰۴ء)۔ اِس لیے ہم سب کو چاہیے کہ شیخ صاحب کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ چراغ سے چراغ روشن کریں۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔

مشہور ادیبہ عصمت چغتائی کالج اور ہوسٹل کی شروع کے دور کی طالبہ تھیں۔ اُنہوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا: ''پاپا کی خواہش تھی لڑکیوں کو گھوڑے کی سواری آنا چاہیے۔ اعلیٰ بی کہتی تھیں یہ عامر مصطفےٰ کی زمین کا قطعہ بے کار ہی تو پڑا ہے، مل جائے تو واقعی رائڈنگ کا بڑا اچھا انتظام ہو سکتا ہے۔ پاپا کا خیال قدم و جدید دونوں سے مطابقت رکھتا تھا۔'' شیخ محمد عبداللہ کو اُن کی عظیم خدمات اور تحریکِ تعلیمِ نسواں میں بے لوث لگن سے متاثر ہو کر انگریز

سرکار نے ۱۹۵۰ء میں خان بہادر اور ۱۹۶۴ء میں پدم بھوشن کے اعزاز سے حکومتِ ہند نے نوازا۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۹/اپریل ۱۹۶۵ء کو چار بجے شام عبداللہ لاج علی گڑھ میں وفات پائی۔ لیکن آپ کی کوشش و کاوش پُر حیات، رواں دواں ملک و ملّت کو فیض پہنچا رہی ہے۔

اقوالِ زرّیں

☆ اپنی اور خاندان کی تندرستی کی حفاظت سونے اور موتی کے برابر ہے۔ (عبداللہؓ بن عباس)

☆ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ (عبداللہؓ بن عباس)

☆ اشخاص و اقوام کی تقدیر کا فیصلہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

☆ فقیر وہ ہے کہ اُس کی خاموشی فکر کے ساتھ اور اُس کی گفتگو ذکر کے ساتھ ہو۔ (بوعلی سینا)

☆ جو شخص اپنے دوستوں کی ہر خطا پر عتاب کرے اُس کے دشمن بہت ہونگے۔ (بوعلی سینا)

☆ گناہ جس سے بھی ہو بُرا ہے اور علماء سے بہت ہی برا ہے۔ (شیخ سعدی)

☆ طلبِ علم سے شرم مناسب نہیں کیوں کہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔ (افلاطون)

☆ جب تک قوموں کو خود اپنی اصلاح کا خیال نہیں آتا قدرت بھی اُنہیں درست نہیں کرتی۔ (علامہ اقبال)

☆ حُسنِ اخلاق سے زندگی آرام و راحت سے بسر ہوتی ہے اس کو سب شعائر پر مقدم رکھنا چاہیے۔ (ارسطو)

☆ جس کے افعال شیطانی اور درندوں جیسے ہوتے ہیں کریم لوگوں کے متعلق اُس کو بدگمانی ہوتی ہے۔ (مولانا روم)

........:0:........

Marfat.com

"شاہ عبدالرحیمؒ ایک مفکر صوفی"

شاہ عبدالرحیمؒ کے والد شیخ وجیہ الدین صاحب صاحبِ سیف و صاحبِ قلم تھے۔ اُن کے واقعات شاہ عبدالرحیم اپنے گھر والوں کو خاص طور سے نئی نسل کو سناتے تھے تاکہ اُن میں بہادری کا جذبہ اور اخلاقِ فاضلہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

شاہ عبدالرحیمؒ نے سیف کو چھوڑ کر صرف قلم اپنے ساتھ رکھا۔ اُن کی ولادت کا سنہ صراحتاً نہیں ملتا لیکن شاہ صاحب کی وفات ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ء) میں ہوئی تھی۔ اُس وقت اُن کی عمر ۷۷ سال کی تھی۔ اِس لیے سنہ ولادت ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) ہونا چاہیے۔ (انفاس العارفین) رودِ کوثر میں ۵۳۵، تاریخ دعوت و عزیمت، صفحہ ۸۰)۔

شاہ عبدالرحیم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے اور آگرہ میں میر محمد زاہد ہروی سے معقولات اور علمِ کلام کی کتابیں پڑھیں اور خواجہ باقی باللہ کے صاحب زادے خواجہ خورد سے فیض حاصل کیا، جو خواجہ حسام الدین کے خلیفہ اور اُس دور میں نقشبندیہ باقویہ طریقے کے ترجمان تھے۔

اکبرآباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی میں مہندیوں کے محلّے کے نزدیک مدرسہ رحیمیہ قائم کرکے وہاں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ عام طور پر عہدِ عالمگیر کے درباری علماء کا نادارانہ رنگ آپ کو پسند نہ تھا۔

لیکن دہلی کے دوسرے اہلِ علم اور علم دوست ہستیوں سے ملتے جلتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے اپنے والد شاہ عبدالرّحیم کے بارے میں کہا "میں نے ایک شخص بھی

Marfat.com

ایسا نہیں دیکھا کہ جو عام علوم میں عموماً اور فقہ و حدیث میں خصوصاً اُن کی طرح ہو۔'' شاہ ولی اللہ نے اپنے صوفی مفکر و دانشور والد صاحب کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی جس کا عربی نام ''بوراق الولایہ'' اور مشہور نام انفاس العارفین ہے۔ شاہ عبدالرّحیم بڑی سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ بلند پایہ اور صاحبِ فہم و صاحبِ شریعت صوفی تھے۔ نظر کی پختگی اور حقیقت پسندی اُن کی اہم صفات تھیں۔ اِس امر کا قوی احساس تھا کہ مسائل کا ایک عملی پہلو بھی ہے جو نظری پہلو سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے والد ماجد کی نصیحتیں انفاس العارفین میں نقل کی ہیں وہ سب حِکمتِ عملی سوجھ بوجھ کا نمونہ ہیں اور اُن میں دو ایک تو بظاہر اِس قدر دنیا داری سے بھری ہوئی ہیں کہ شاید اُنہیں بعض لوگ ایک مذہبی عالم اور خدا رسیدہ بزرگ کی طبیعت اور ذوق کے مطابق نہ سمجھیں، مثلاً

۱۔ آپؒ کہتے تھے کہ اگر تم سے کوئی بہادری کا کام یا کوئی سخاوت یا فتویٰ ظاہر ہو تو تمہارے لیے لازم ہے کہ دنیا کے لوگ اُس چیز کو تمہاری ذات میں پائیں اور دیکھیں۔ عیادت کا بڑا مقصد مریض کو خوش کرنا ہے نہ کہ یہ کہ صرف اُس کے مزاج کی کیفیت جاننا۔ اِسی طرح تعزیت، اِسی طرح سفارش اور دوسری مثالیں۔ لہٰذا وہ شخص جو کہ یہ سب پورا کرتا ہے اور صاحبِ معاملہ کو اطلاع نہیں کرتا، وقت پر تو اُس نے اپنی محنت کو ضائع کیا۔

۲۔ احمقوں کی خصلت ہے کہ لباس و عادات کو اپنی شان کا باعث بناتے ہیں یا کوئی تکیۂ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کھانا مقرر کر لیتے ہیں کہ اُس سے نفرت کرتے ہیں اور یہ مزاح کا سبب بنتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ بات کہنے، راہ چلنے، بیٹھنے، اُٹھنے میں طاقت ور لوگوں کے طور طریقے اختیار کرا گرچہ تو کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی عیب یا برائی یا کنجوسی کسی سے اچانک صادر ہو جائے تو اُن کو چھپانے میں کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے حیا محسوس کرنی چاہیے اور اُن صفات سے اپنے کو محنت و کاوش سے بچانا چاہیے تا کہ نفس ایسی خرابیوں کی عادت نہ اختیار کر لے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی اور طبعی نشو نما میں اُن کے والد حضرت شاہ عبدالرّحیم کی تربیت و تعلیم اور فکری نظریات کو بڑا دخل ہے۔ اُن کی ایک نہایت اہم بڑی خصوصیت جامعیت تھی۔

مولانا عبداللہ سندھی اُن کی اور اُن کے دوسرے بھائی شیخ ابو رضا محمد کی نسبت لکھتے ہیں، ''دونوں بھائیوں کے خاص نظریات کا ماحصل ایک ایسی شاہراہ بنانے کی سعی ہے جس پر مسلمان فلاسفرین، صوفیہ، متکلمین اور فقہا ساتھ ساتھ چل سکیں۔

شاہ عبدالرّحیم کو خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش رہتی تھی اور اُن کی صحبت میں ذوق و شوق سے شریک رہتے تھے۔ حضرت محی الدین ابنِ عربی کے مدّاح تھے۔

امراء کے گھروں پر بالکل جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر وہ لوگ آپ کے پاس آتے تو تواضع اور اخلاق اور حُسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ معاشرت میں اعتدال تھا، کوئی خاص لباس، انداز یا وضع اپنے لیے مقرر نہ کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ایک رباعی شاہ صاحب نے اپنے والد کی نقل کی ہے جو اُنہوں نے اپنے بلند فرزند کو وصیّت کے طور پر لکھوائی تھی:۔

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر
درطریقت رکنِ اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

ترجمہ: ''اے بیٹے اگر تو راہِ حق کا طالب ہے تو کسی کو رنج مت پہنچا۔ طریقت کے راستے میں اگر رُکنِ اعظم اختیار کرے گا تب ہی رحمت نصیب ہوگی۔ خیر البشر یعنی محمد مصطفےٰ (ﷺ) نے یہی فرمایا ہے۔''

شاہ عبدالرّحیم کی بزرگی پر ولادت اس واقعہ سے ہوتی ہے اور یہ آپ کی ولادت کی پیش گوئی بھی ہے۔ فرماتے تھے کہ شیخ رفیعؒ الدین (نانا شاہ عبدالرّحیم) نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اثاث البیت جمع کیا اور وارثوں میں تقسیم کر دیا۔ اولاد میں سے ہر ایک کو اس کی حسبِ ضرورت دیا۔ جب سب سے چھوٹی اولاد (جو بعد میں شیخ عبدالرّحیم کی والدہ بنیں) کی باری آئی تو اُنہیں مشائخِ کرام کا شجرہ، خاندانی اوراد، اور فوائدِ طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ عنایت فرمایا۔

شیخ کی رفیقۂ حیات نے کہا کہ یہ بچی غیر شادی شدہ ہے اِسے تو جہیز اور اسبابِ خانہ چاہیے نہ کہ رسائلِ تصوّف۔ فرمایا کہ یہ رسائل ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں۔ اِس عفیفہ کے بطن سے اس معنوی میراث کا مستحق ایک بچہ پیدا ہوگا۔ ہم نے یہ روحانی میراث اُسی کے لیے دی ہے۔ باقی رہے اسبابِ خانہ تو وہ خدا میسّر کر دے گا ہمیں اِس کا غم نہیں، بہت عرصہ بعد جب میں (شاہ عبدالرّحیمؒ) پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تو ہماری جدہ محترمہ کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈال دی اور اُنہوں نے وہ رسائل مجھے دیدیئے۔'' (انفاس العارفین)۔

شاہ عبدالرّحیم کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دینا کی دولت سے

Marfat.com

اچاٹ تھی۔ایک نقش بندی بزرگ خواجہ ہاشم بخارہ سے تشریف لائے۔شاہ صاحب کے محلّہ میں ٹھہرے۔اُن کی طبیعت کا یہ طریقہ دیکھ کراُن کواستکتاب کا طریقہ تلقین کیا۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پراتنا غلبہ ہوا کہ ملاّ عبدالحکیم کا حاشیہ نقل کرنا شروع کیا، پورے ایک جز پر اسم ذات (اللہ) لکھتا چلا گیااور مجھے اِس کا احساس نہ ہوا۔

شاہ عبدالرّحیم وسیع الخیال تھے۔ہر سلسلے میں فیض حاصل کرتے تھے۔یہی صفات اُن کے بیٹے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میں تھیں۔عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کا گھرانہ نقشبندی مجدّدی طریقہ پر عامل تھا۔

شاہ صاحب نے اپنے والد صاحب کے کئی مرشدوں کے نام لکھے ہیں ''القول الجمیل'' میں۔جن میں سے سید عظمت اللہ اکبرآبادی بھی تھے جو چشتیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ ایک خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی جو قادریہ سلسلے سے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی محی الدین ابن عربی کے ارادت مند بھی تھے اور معرفت بھی تھے۔آپ ''جمع بین الفریقین کے اصول پر یقین رکھتے تھے۔اس کا اثر آپ کے فرزند شاہ ولی اللہ کی تصانیف اور خیالات وتحمل میں آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔محی الدین ابنِ عربی کا نام بڑی تعظیم سے لیتے تھے۔شیعہ سنّی مسئلے پر بھی شاہ عبدالرّحیمؒ کا طریقہ کار اعتدال اور معاملہ فہمی کا تھا۔اِسی طرح دوسرے امور میں وہ غلو اور تعصّب سے پرہیز کرتے تھے۔

فقہ، منطق، حدیث، کلام، طب، معانی اور ہندسیہ کی تعلیم شاہ عبدالرّحیم نے خود شاہ ولی اللہ کو دی۔اتنے علوم سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ امورِ دنیا اور معاملات کا پورا خیال رکھتے تھے۔درویشی صفات سے متصف صوفی بزرگ تھے۔

شاہ عبدالرّحیم فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والی جماعت کے علماء میں سے ایک

Marfat.com

تھے جو ملک کے ممتاز ترین فقہ حنفی کے عالم وصاحبِ نظر تھے۔ تحقیق کے ساتھ مشورہ کے حاشیہ پر تصحیح بھی کی تھی۔ (انفاس العارفین)

اُن کے فرزند شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ خصائلِ حمیدہ عمدہ اخلاق کے جامع تھے۔ شجاعت وفراست اور غیرت بدرجہ اتم موجود تھی۔ فکر معاد (قیادت، آخرت) کے ساتھ فکرِ معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ زہد و عبادت میں نہ اتنا تعمق اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اُس کے خدو دمل جائیں اور نہ اتنی بے تکلفی کہ شریعت کے تساہل تک بات پہنچ جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ برابر انجام دیتے تھے۔ ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے۔ ہر حال میں آثارِ نبویؐ کا اتباع کرتے۔ استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر عذر کے جماعت فوت نہیں ہوئی۔

کمالات علمی و باطنی کے حصول اور علم وسلوک میں درجۂ امامت واجتہاد تک پہنچنے میں اُن کی باطنی قوتِ تاثیر کا بھی بڑا حصہ ہے۔

........:0:........

Marfat.com

"شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری"

علم وحکمت اور دانائی کے پیکر شیخ الاسلام مولانا ثنا اللہ امرتسریؒ نے اسلام کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔ آپ بیسویں صدی کے عظیم تاریخ ساز شخصیت تھے، رب العزت نے قدرتی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور اللہ کے اس سچے بندے نے اُن صلاحیتوں کا صحیح اور مناسب استعمال کر کے ملّتِ اسلامیہ کو بڑا فیض پہونچایا۔

مولانا کا نام ثنا اللہ تھا۔ ابو الوفاء کے لقب سے مشہور تھے۔ جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں ولادت ہوئی۔ آباء واجداد کشمیری تھے۔ منٹو خاندان سے تعلق تھا۔ یہ لوگ ڈور کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ سری نگر میں آتا ہے۔ آبائی پیشہ پشمینے کا تھا، والد صاحب کا نام خضر تھا، بچپن ہی میں یتیم ہو گیے تھے، سات سال کی عمر تھی۔

۱۴ ر سال کی عمر میں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، آگے چل کر اِس شوق نے ذوق کی شکل اختیار کر لی، فارسی پڑھی اور مولوی احمد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دست کاری اور رفو گری کے ہُنر سے بھی آراستہ تھے۔ اُس میں اُن کے چچا اکرم اور بھائی ابراہیم کی شفقت ومحنت شامل تھی۔ آپ نے اِس ہُنر سے بھی فائدہ حاصل کیا اور پڑھتے بھی رہے۔

علمِ حدیث مولانا حافظ عبد المنان (پنجاب) سے حاصل کی۔ ۱۸۸۹ء میں سند حاصل کی اس کے بعد شمس العلما، سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے فیض حاصل کیا، اِسی سال دیوبند تشریف لے گیے اور یہاں کتب معقول اور منقول ہر قسم کی پڑھیں، اِس کے

Marfat.com

بعد کانپور کے مدرسہ فیضِ عام مین داخلہ لیا، اس دوران مسندِ درس پر مولانا احمد حسین فائز تھے۔ درسِ حدیث میں بڑے ذوق کے ساتھ شریک رہے۔ ۱۸۹۲ء میں دستارِ فضیلت اور سند تکمیل سے سرفراز ہوئے۔

اِس دوران کئی غیر اسلامی تحریکیں رونما ہو چکی تھیں اور اسلام پر طرح طرح سے ضرب لگانے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ مولانا ثنا اللہ نے سینہ سپر ہو کر اُن کا منہ توڑ جواب دیا۔ سنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سچے عاشق تھے۔ اعتدال پسندی آپ کا شعار تھا، نرم مزاج، بردبار، وسیع النظر اور بہت متواضع تھے۔ اِن سب خوبیوں کے ساتھ ایک سچے مسلم کی طرح منکسر المزاج بھی تھے، دعوت و تبلیغ کے کام میں سرگرمِ عمل رہنا آپ کا نصب العین تھا۔

۱۹۰۶ء میں شہر آرہ میں اہلِ حدیث کا اجلاس منعقد ہوا اور آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی تشکیل ہوئی۔ اِس کے ناظم مولانا امرتسری منتخب ہوئے۔

۱۹۱۰ء میں لاہور میں پادری حوال دار سنگھ عیسائی سے آپ کا مناظرہ ہوا، آپ فاتح رہے، اِس مناظرہ کی خاص بات یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک پورا خاندان مسلمان ہو گیا۔

مولانا ثنا اللہ کو اسلامی علوم و فنون میں گہری بصیرت تھی، علم و آگہی سے بے حد دلچسپی بلکہ ذوق تھا۔ یہ اللہ کا بڑا انعام ہے، اپنے برگزیدہ بندوں پر۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (الانعام ۱۲۶)

ترجمہ: ''تو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

۱۹۲۲ء میں مولانا حج کے لیے تشریف لے گئے، مکّہ شریف میں مؤتمر عالمِ اسلامی منعقد ہوا، اس میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی نمائندگی کی، اس میں قائد مولانا امرتسری تھے۔

Marfat.com

آپ نے بہت سے مناظرے ہندوؤں، قادیانیوں، فریب خوردہ مسلمانوں اور عیسائیوں سے کئے۔ ایک مناظرہ رامپور میں ہوا۔ یہ ۱۹۰۹ء کی بات ہے، اِس مناظرہ میں کسی نے بھی آپ سے مقابلہ کرنے کی ہمّت نہ کی، یہ مناظرہ غلام احمد قادیانی کے صدق و کذب پر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ متفقہ طور پر فتح یاب رہے۔

۱۹۲۰ء میں آریہ سماج نے تمام اسلامی جماعتوں کو چیلنج دیا، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قبول کیا، زیرِ بحث عنوان "حدیث روح" تھا۔ آخر میں آریہ سماج نے مناظرے چھوڑ دیئے۔

مئی ۱۹۴۴ء میں ایک اور مناظرہ ہوا۔ پنڈت رام چندر دہلی سے آئے۔ اُن میں مولانا ہی ہر حیثیت سے زبر رہے اور کامیاب رہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ ۱۹۰۰ء سے شروع کیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں مقدس رسول" اور حق پرکاش" لکھ کر اسلام کے مخالفوں کی زبانیں گنگ کر دیں۔ منہ توڑ جواب دیا لیکن نہایت بااخلاق اور شیریں طریقہ سے۔ چند اور کتابیں آپ کی یہ ہیں، دلیل قرآن، خصال النبی، تعلیم القرآن، اتباعِ رسولؐ، فتوحات اہلِ حدیث، اہلِ حدیث کا مذہب، تنقید و تقلید، فیصلہ مرزا، نکات مرزا، عجائبات مرزا، توحید و سنّت، تقابلۂ خلافت۔ قرآنِ کریم کی تفاسیر: تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، تفسیر ثنائی، تفسیر بیان القرآن علی علم البیان، تفسیر بالرّائے۔ آپ کی ساری کوشش یہ تھی کہ اسلامی علوم عوام کے دلوں میں رچ بس جائیں، اللہ کے سچے بندے نے جینے کا حق ادا کر دیا۔ ۸۰ (اسّی) سال کی عمر میں ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء مقام سرگودھا میں وفات پائی۔ رحمة الله رحمة واسعة۔

Marfat.com

"مولانا سعید احمد اکبر آبادی حیات و خدمات"

برِّ صغیر کے نامور عالمِ دین اور محقق مولانا سعید احمد اکبر آبادی اُن نادر روزگار ہستیوں میں سے تھے جو اپنے اعلیٰ کردار، پاکیزہ صفات اور شاندار کاموں کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ جسمانی وفات کے بعد اپنی عظیم خدمات کی بدولت اور زندہ تر ہو جاتی ہیں۔ مولانا چمن ہند کے اُن دیدہ وران میں سے تھے جن کی وسعت نظری اور روشن دماغ کے فیض کو ہر دور میں محسوس کیا جاسکتا ہے اور ملّت کی فکر ونظر کو جلا نصیب ہوتی رہتی ہے۔

اکبر آبادی صاحب کے والد ڈاکٹر محمد ابرار حسین جدید تعلیم کے ماہر، آگرہ کے مشہور ومعروف ڈاکٹر تھے۔ اپنے دور کے مال دار آدمی تھے۔ قاضی عبدالغنی منگلوری سے بیعت تھے۔ دیوبند کے اکابر علماء کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ نماز با جماعت اور تہجد کے پابند تھے۔ مولانا سعید احمد اکلوتے بیٹے تھے۔ سعید صاحب کے ایک سب سے بڑے بھائی تھے جن کا نام انوار الحسن تھا۔ تین سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اُس کے بعد ایک بہن قمر النّساء تھیں، دس سال کی عمر میں اُن کی وفات ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب کا دل دنیا سے اکتایا اور سوچا کہ ہجرت کر کے حجازِ مقدس چلے جائیں۔ عبادت وریاضت اور وہاں کے لوگوں کی خدمت کریں۔ اِس ارادے کی اطلاع قاضی منگلوری صاحب کو دی اور اجازت طلب کی۔ موصوف نے اجازت نہ دی اور لکھ کر بھیجا کہ اللہ تم کو ایک فرزندِ سعید عطا فرمائے گا۔ بہن قمر النّساء کی ولادت کے ۲۷ سال تک

Marfat.com

اُن کے والدین کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

خود مولانا اپنی ولادت اور نام کے سلسلے میں فرماتے تھے کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ میرا نام محمد ابرار حسین ہے اس لیے تمہارا نام بھی اِس کی رعایت سے اسرار حسین یا زوّار حسین ہونا چاہیے تھا۔ لیکن سعید نام اِس لیے رکھا کہ ایک تو حضرت قاضی صاحب منگلوری نے اپنے ہر متعلقہ خط میں تم کو فرزندِ سعید لکھا۔ دوسرے یہ کہ نومبر ۱۹۰۸ء میں جس روز تمہاری ولادت ہوئی آگرہ میں اِس پہلی شب میں صبح صادق کا وقت تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ملازم نے اطلاع دی کہ دو صاحبان آپ سے ملنے آئے ہیں۔ میں بالا خانے سے نیچے اترا تو دیکھا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کھڑے ہیں۔ ادب کے ساتھ سلام عرض کیا اور اندر آنے کی درخواست کی۔ دونوں حضرات نے فرمایا: ڈاکٹر، خدا نے تم کو فرزندِ سعید عطا فرمایا ہے، ہم اُس کی مبارک باد دینے آئے ہیں۔ اُن حضرات نے یہ فرمایا اور چل دیئے۔ دن جمعہ کا اور مہینہ رمضان المبارک کا تھا۔ اِس خواب کے دو تین گھنٹہ کے بعد مولانا اکبر آبادی دنیا میں تشریف لائے۔ اِس لیے سعید نام رکھا اور سوچا کہ ہر شخص سعید کہہ کر پکارے گا۔ اُس کے اثر سے رحمتِ خداوندی سے کیا بعید ہے کہ بچہ کو دینا اور آخرت میں سعید ہی کر دے۔ اب رہا نام کا دوسرا جز تو فرمایا مجھ کو حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے ساتھ غیر معمولی عشق و محبت ہے اس وجہ سے پہلے سے ارادہ تھا کہ اگر لڑکا ہوگا تو اُس کا نام احمد رکھونگا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے والد کی خواہش تھی کہ اُن کو علمِ دین میں فاضل کریں اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔

خود مولانا نے لکھا ہے: ''میں والدین کا بے حد چہیتا اکلوتا بیٹا تھا۔ گھر میں اللہ کا دیا

Marfat.com

سب کچھ تھا۔ سرکاری حلقوں اور پبلک میں والد صاحب کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ ددھیال بچھرایوں (مراد آباد) کا معزز شیخ خاندان تھا اور ننھیال سیوہارہ ضلع بجنور کا۔ اعزا واقربا بھی انگریزی تعلیم یافتہ اور بڑھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف میں ذہانت وحافظہ، صحت وتندرستی، شوق، علم اور محنت میں سے کسی میں فرومایہ نہیں تھا۔ اِن حالات میں وہ اگر چاہتے تو میں ایک آئی سی. ایس.، ایک کامیاب بیرسٹر یا کم از کم ایک ڈاکٹر ہوسکتا تھا، لیکن والد صاحب نے اُن میں سے کسی چیز کا خیال تک نہیں کیا اور مجھ کو عالم بنانے کی ٹھان لی۔

قاضی صاحب منگلوری سے اکبرآبادی صاحب کے والد ماجد نے بسم اللہ کی رسم ادا کرنے کی درخواست کی تو اُنھوں نے اپنے ایک نیم مجذوب مادرزاد ولی میاں محمد افضل کو بھیج دیا۔ اُنھوں نے بسم اللہ پڑھائی اور آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس ارادہ میں مزید تقویت اُس سے پیدا ہوئی کہ ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند کا نہایت عظیم الشان جلسہ دستار بندی ہوا تھا جس میں علی گڑھ کے صاحب زادہ آفتاب احمد خاں شریک تھے اور تقریر بھی کی تھی۔ میں (سعید صاحب) تمام نشستوں میں شریک رہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور دوسرے اکابر علماء دین کی موجودگی اور تقریروں اور وہاں کی ولولہ انگیز فضا نے دل میں جوش پیدا کیا اور طے کرلیا کہ عالم وفاضل بنیں گے اور اسلام اور دین کی خدمت کریں گے۔ اس کے بعد اُن کے والد صاحب نے دارالعلوم بھیج دیا۔

مولانا فرماتے تھے کہ وہ خود اپنے نام کے ساتھ کوئی نسبت نہیں لگاتے تھے۔ اِس وجہ سے تمام اسانید، ابتدائی تصانیف اور رسالہ برہان کے پہلے صفحہ پر صرف نام سعید احمد ہی درج ہوتا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں جب مولانا ابوالکلام آزاد نے گورنمنٹ مغربی بنگال کو میری کلکتہ

ل ' برہان' اگست، اکتوبر اور نومبر ۱۹۸۴ء

مدرسہ عالیہ کی پرنسپلی کے بارے میں خط لکھا تو اُس خط میں مولانا نے میرے نام کے ساتھ اکبرآبادی کا بھی اضافہ کر دیا اور اِس وجہ سے تمام سرکاری کاغذات میں اکبرآبادی میرے نام کا جزلاینفک ہوگیا۔

۱۹۶۳ء میں جب مولانا اکبرآبادی کناڈا سے نیویارک گئے اور برنسٹن یونیورسٹی کی لائبریری دیکھی تو وہاں کے لائبریرین نے اُن سے ملاقات کی اور اُن کی کتاب "فہم قرآن" کے مصنف کی تصدیق کر کے لوحِ کتاب پر اُن کے نام کے آگے اکبرآبادی کا اضافہ کر دیا تاکہ خاندانی نام کی حیثیت سے مستعمل ہو۔

مشہور عالم اور تحریکِ آزادی ہند کے عظیم قائد مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سعید اکبرآبادی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ننھیال میں اسلامی تعلیم کی روایات زیادہ عام تھیں، گو انگریزی تعلیم یافتہ بھی تھے۔[1]

مولانا کے والد صاحب نے ایک حافظ صاحب اور ایک مولوی صاحب کا فارسی پڑھانے کے لیے انتظام کیا۔ اِس کے ساتھ عزیز الرحمٰن عثمانی کو دیوبند سے ایک عالم متقی کو اتالیق کے طور پر بھیجنے کی درخواست کی۔ مفتی صاحب نے دیوبند کے شیوخ میں سے ایک پچاس سال کے نورانی شکل والے دارالعلوم دیوبند کے عالم فاضل (جو اُس وقت دارالافتا سے وابستہ تھے، جن کا نام مولوی خورشید علی تھا، وہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ مولانا عبدالکریم سے بیعت تھے) نے عربی کی تعلیم دی۔ وہ مع اپنے کنبہ کے آگرہ آگیے تھے۔ مسجد بھی لے جاتے تھے اور صبح وشام ہواخوری بھی کراتے تھے۔

جدید تعلیم انگریزی، حساب، تاریخ، جغرافیہ کے لیے ایک قابل گریجویٹ ماسٹر مُکٹ بہاری لال کا تقرر کیا۔ یہ شام کو دو گھنٹے پڑھاتے تھے۔ سرحدی عالمِ دیوبند مولوی غلام

---

[1] 'برہان' جون، جولائی ۱۹۸۰ء

Marfat.com

نور صاحب نے تقریباً دس ماہ صرف و نحو کی تعلیم دی۔ کافیہ اور قدوری تک کی تعلیم مکمل کرائی۔

اِس کے بعد مراد آباد کے مدرسہ امدادیہ میں داخل کرا دیا گیا۔ اُن کی والدہ ماجدہ محترمہ شمس النّساء اور چھوٹی بہن قبول فاطمہ دونوں اُن کے ساتھ رہے۔ مکان کرایہ پر لیا گیا۔ یہاں مولانا سید مرتضیٰ حسین چاند پوری صدر مدرس، مولانا محمد اسحٰق کانپوری اور مولانا محمد حنیف امروہوی کے زیرِ نگرانی شرح جامی اور شرح وقایہ وغیرہ پڑھیں۔ تعلیمی سال کے ختم ہونے پر مولانا چاند پوری دارالعلوم دیو بند چلے گیے تو مولانا اکبر آبادی کے والد ماجد نے بیٹے کو وہاں بھیجنے کا ارادہ کرلیا۔ یہ ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء کی بات ہے۔[۱]

یہاں بھی مراد آباد کی طرح رہنے سہنے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ دیکھ کر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیو بند نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ لڑکے کو طالبِ علمی کرانے لائے ہیں یا نوابی۔ ڈاکٹر صاحب نے بچے کے لاڈ پیار سے پالے جانے اور گھر سے باہر آ کر رہنے کا عذر پیش کیا اور ایک سال کی اجازت لی۔ مفتی عتیق الرحمٰن اور اُن کے خاندان سے قریبی تعلق کا آغاز یہیں سے ہوا۔

اِس کے بعد ۱۳ یا چودہ سال کی عمر میں مدرسہ کے اندر آ گئے اور صدر دروازہ کے اوپر بنے ہوئے چھوٹے کمرے میں دارلعلوم کے عظیم و کبیر استاد مولانا سراج احمد رشیدی کے قریب رہنے لگے۔ وہاں مولانا رشیدی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دونوں بزرگوں کی توجہ عالیہ سے فیض اُٹھایا۔

بقول مولانا اکبر آبادی دارالعلوم دیو بند میں اُن کی طالبِ علمی کے تین دور ہیں، پہلے دور میں گوشہ نشیں رہا، گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے گھر۔ سوائے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے یہ اُن کے اس دور میں اکلوتے دوست تھے۔

---

[۱] ماخوذ از 'برہان' اگست ۱۹۸۴ء

Marfat.com

دورِثانی میں تعلقات کا حلقہ وسیع ہوا۔طلباء کی انجمنوں کے جلسوں میں شرکت اور اُن میں تقریر کرنا شروع کیا۔تقریر کے سلسلے میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریروں سے متأثر تھے اور اُن کا اتباع کرتے تھے۔

مولانا شبّیر احمد عثمانی نے اُن کو مشورہ دیا تھا جو اُنہوں نے گرہ میں باندھ لیا تھا کہ شروع میں نامور مقرّرین کی تقریروں کو یاد کرنا اور اُن کے جملوں اور الفاظ کو زبان زد کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن ہے لیکن بعد میں اُس کو مستقل عادت نہ بنایا چاہیے اور خود کو اور دوسروں کو فیض پہنچانا چاہیے۔

قیام دارالعلوم کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو آخری بھی ہے۔یہ دور جو تین سال کی مدت ہے، یہ آپ کی حیات کا نہایت اہم دور تھا۔کیوں کہ آپ لکھتے ہیں:

''میری تعمیر و تشکیل جو کچھ ہوئی اِسی دور میں ہوئی، پہلے میرا ماحول شعری اورادبی تھا لیکن اب میرا ماحول علمی اور دینی ہے۔

پہلے میری صحبت چند شہری طلبا کے ساتھ تھی، اب میں ہر وقت اساتذۂ کرام اور چند نہایت ہونہار طلباء کے ساتھ تھا جو ذہین و مستعد تھے اور مختلف صوبوں کے طلباء کی معیت میں تھا۔''[1]

اِس دور میں کھانا پینا رہن سہن مولانا رشیدی کے ساتھ ہوتا تھا۔وہ عالم و فاضل تھے۔پختہ کلام شاعر،شگفتہ مزاج اور مجلسی بزرگ تھے۔

جمعرات کے دن مجالسِ ہم طعامی اور ہم کلامی کے لیے جو اساتذہ کرام جمع ہوتے اُن میں علاّمہ ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا بدر عالم میرٹھی جیسے اساطین علم و فضل اور ناموران ادب تھے۔سعید صاحب اپنے آپ کو اُن کے علم و فضل اور ادب و تقویٰ کے نور سے روشن کرتے رہتے۔اِس

دور کے عظیم عالم مفسّرِ قرآن اور صاحبِ تقویٰ مولانا شبّیر احمد عثمانی کے گھر روزانہ مغرب کے بعد سے عشاء تک کی مجالس میں اکثر شریک رہتے تھے۔

اِسی طرح مولانا حبیب الرّحمٰن عثمانی اور مفتی عزیز الرّحمٰن عثمانی مفتی اعظم سے برابر استفادہ کرتے رہتے تھے۔

فنِ حدیث کے امام اور شارح علاّمہ انور شاہ کشمیری سے مولانا اکبرآبادی نے ۱۹۲۵ء میں دورہ حدیث کیا اس میں مولانا محمد حفظ الرّحمٰن بھی ساتھ تھے۔ اسی سال میں چار سال کی تعلیم وتربیت کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

سالانہ تعطیل میں آگرہ آئے تو اُن کے والد صاحب نے مولانا اور اُن کی ضعیفہ والدہ شمس النّساء کی نذر پوری کرنے کے لیے مولانا اکبرآبادی اور اُن کی والدہ صاحبہ کو حج کے لیے روانہ کردیا۔ حجِ اکبر نصیب ہوا۔ ۱۹۲۵ء کا حجِ اکبر اِس لحاظ سے بھی یادگار ہے کہ اسی سال پہلا موٴتمر عالمِ اسلامی مکۃ المکرّمہ میں منعقد ہوا تھا جس میں جمیعۃ العلماء اور خلافت کمیٹی کے دو وفود نے شرکت کی۔ جمیعۃ کی طرف سے صدر مولانا مفتی کفایت اللہ تھے اور ممبر مولانا شبّیر احمد عثمانی اور مولانا احمد سعید اور مولانا عبدالحلیم صدیقی، وفد خلافت کے صدر مولانا سید سلیمان ندوی اور ارکان مولانا محمد علی، شوکت علی اور شعیب قریشی تھے۔ جہاز میں مولانا اکبرآبادی نے اُن بزرگوں کے ساتھ سفر کیا۔

اِن کے علاوہ اِس دوران میں مصر کے عظیم عالمِ ومفکر علاّمہ سید رشید رضا، مفتی اعظم فلسطین محمد امین الحسینی اور دوسرے علماء کو دیکھنے کا موقع ملا۔ حجاز سے واپس آکر دارالعلوم دیوبند پہنچے، مزید دو سال درس وتدریس میں گزارے۔[1]

---

[1] 'جسارت' کراچی ستمبر ۱۹۸۱ء

Marfat.com

روزنامہ 'جسارت' کراچی ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۱ء میں آپ کا ایک انٹرویو چھپا تھا، اُس کا ایک چھوٹا اقتباس یہ ہے:

"یوں نومبر ۱۹۰۸ء کو میری پیدائش عمل میں آئی۔ ابّا نے گھر ہی میں دینی اور انگریزی تعلیم دلانے کا انتظام کیا، بعد میں دیوبند بھیج دیا، عربی کی تعلیم مکمّل ہونے کے بعد گریجویشن کیا اور پھر عربی میں ایم.اے. کیا۔ بعد ازاں مختلف اوقات میں کالی کٹ یونیورسٹی، سینٹ اسٹیفن کالج وغیرہ میں پروفیسر کی حیثیت سے درس وتدریس کے فرائض انجام دیتا رہا۔"

۱۹۲۸ء میں مولانا اکبرآبادی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت گجرات چلے گیے اور وہاں بہ حیثیت استاذ تین سال کام کیا۔

قیام ڈابھیل کے زمانہ میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی شادی اُن کے والد کی پھوپی زاد بہن انوری بیگم کی بیٹی اختری بیگم سے ہوئی۔ تقریباً ۵۲ر سال مولانا کی رفاقت میں رہیں۔ دیندار خاتون تھیں۔

اللہ نے آپ کو آٹھ اولادیں دیں۔ سب سے بڑی محمودہ سعید تھیں، کراچی میں اُن کا انتقال ہوا۔ پانچ بیٹیاں ہیں۔ دوسری مسعودہ سعید، اُن کے شوہر ابوالمحمود کلکتہ کے رہنے والے شیخ محمد جان بزرگ کے بیٹے ہیں۔ دونوں حیات ہیں، ۲ بچے ہیں۔ تیسرے نمبر پر ریحانہ سعید محمد اسلم، اُن کے شوہر ۲ بیٹے، ۲ بیٹیاں پاکستان میں مقیم ہیں۔ اُن کے بعد عمر سعید پیدائشی آرٹسٹ تھے، اُن کے فن پارے میں نے خود دیکھے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کسی فائن آرٹ کے ماہر استاذ کے ہاتھ کا فن ہے۔ اُن کا انتقال ہوگیا ہے، کچھ ذہنی تکلیف بھی

---

۱ 'برہان' اگست ۱۹۸۴ء اور نومبر ۱۹۸۴ء

Marfat.com

تھی۔ پانچویں نمبر پر جناب خورشید احمد ہیں، اُن کی بیوی منیبہ خاتون ہیں۔ محترمہ منیبہ خاتون مولانا کے جگری دوست میرٹھ کے عالم جناب زین العابدین کی صاحب زادی ہیں۔ بڑی خوش خو اور نیک خاتون ہے۔ حسین احمد صاحب کراچی میں ہیں۔ جنید احمد کراچی میں بینک منیجر ہیں، سب سے چھوٹی فرحانہ سعید ہیں، یہ بھی پاکستان میں ہیں۔

صرف جناب خورشید احمد صاحب مع اہلیہ کے علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ یہ مکان سعید صاحب نے ۱۹۷۴ء میں بنوایا تھا اور ۱۹۷۸ء میں اس میں رہنا شروع کیا تھا۔ اِس سے پہلے مولانا علی منزل ڈگی روڈ میں رہتے تھے۔

۱۹۳۱ء میں مولانا اکبر آبادی استاد کی حیثیت سے مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی میں آگئے۔ وہاں مولانا سید فخر الحسن العمری جیسے بزرگ استاذوں کے ساتھ کئی سال کام کیا۔[1] اِسی دوران ایم.اے. کا امتحان دلی یونیورسٹی سے ۱۹۳۶ء میں فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ اِس کے بعد ۱۹۴۳ء میں دہلی یونیورسٹی کے ایک باوقار کالج سینٹ اسٹیفن میں مستقل تقرر ہوا۔[2] اردو اور ادبیات کے پروفیسر ہوئے اور یہاں جنرل محمد ضیاء الحق صدرِ پاکستان (۱۹۷۷۔۸۸ء) جیسے شاگرد کے استاد رہے۔

پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں مولانا اکبر آبادی اسلام آباد آگئے تو تقریبات کے افتتاح کے دن صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے مولانا کو پہچان لیا اور اُن کے ساتھ بڑے عزت و احترام سے پیش آئے اور دعوت دی کہ وہ اُن کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے قیام کریں۔[3]

۱۹۸۴ء میں دو دن کے سندھی ادبی میلے میں تشریف لے گئے۔ وہاں صدر ضیاء

---

۱ 'برہان' اکتوبر ۱۹۸۰ء　۲ 'برہان' نومبر ۱۹۴۳ء　۳ 'جسارت' کراچی ستمبر ۱۹۸۱ء

Marfat.com

الحق نے سندھی ٹوپیاں اور انگلش اخبار ''مارننگ نیوز'' پھر ۱۲ر مارچ ۱۹۸۴ء میں آپ کو ''امینٹ اسکالر'' لکھا گیا۔

جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے فرمایا: ''اسلام کے فروغ کے لیے اللہ نے کبھی علماء سے، کبھی بادشاہوں سے اور کبھی فوجیوں سے کام لیا، لیکن اب وہ یہ کام انگریزی یافتہ طبقہ سے لے گا۔[1] آج مولانا کی بات حقیقت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

۱۹۴۷ء میں مولانا ابوالکلام آزاد وزیرِ تعلیم ہند کی تحریک پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔

۱۹۵۹ء میں مولانا کو وائس چانسلر کرنل بشیر حسین نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کی صدارت وسربراہی کے لیے منتخب کیا اور اُن کو ایک خط کے ذریعہ یہ منصب عطا کیا۔

بنگال کی گورنر سروجنی نائیڈو، بنگال کے وزیرِ اعلیٰ بی.سی.رائے اور اُس دور کے گورنر بہار ڈاکٹر ذاکر حسین نے بہت اصرار کیا کہ وہ کلکتہ میں رہیں، لیکن ان سب کے اصرار کے باجود مولانا نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کی صدارت قبول کی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے استعفیٰ دے دیا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے شعبہ کی ترقی کے لیے بہت کام کیا۔ اِس سلسلے میں آپ خود لکھتے ہیں کہ:

> ''جب میں نے علی گڑھ آکر شعبۂ دینیات کا چارج لیا تو اُس وقت اِس کی پوزیشن یہ تھی کہ شعبہ میں صرف دو لکچرار تھے اور زنانہ کالج میں ایک خاتون۔ شعبہ کا دفتر محمد حفیظ اللہ مرحوم ناظم دینیات کے کمرے میں تھا۔ دینیات کی

[1] جسارت، کراچی۔

تعلیم دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک لازمی جو ہر طالبِ علم کے لیے شروع سال میں ضروری تھی لیکن بی.ٹی.ایچ. اور ایم.ٹی.ایچ. کی دو کلاسیں لازمی نہیں تھیں۔ لازمی تعلیم کی کلاسوں میں نوّے تک طلباء کی کثرت ہوتی تھی لیکن بی.ٹی.ایچ. کی کلاسوں میں طلباء اور طالبات کی تعداد برائے نام تھی اور ایم.ٹی.ایچ. میں اُس وقت تک کوئی داخلہ ہوا ہی نہ تھا۔ میں نے شروع شروع میں ایس.ایس. ہال میں دفتر کے لیے ایک کمرہ لیا اور اُس میں کام شروع کیا لیکن دو تین سال کے بعد ہی وائس چانسلر صاحب پر زور ڈال کر ولایت منزل نام کی ایک نہایت وسیع اور شاندار کوٹھی دینیات فیکلٹی کے لیے حاصل کر لی جس میں آج کل یہ فیکلٹی قائم ہے۔ اس کے علاوہ میں نے لازمی تعلیم اور بی.ٹی.ایچ. اور ایم.ٹی.ایچ. کا نصاب بھی تبدیل کر کے اس کو یونیورسٹی کے شایانِ شان بنایا۔ پھر اِس شعبے میں توسیع کے لیے استادوں کا اضافہ بھی کیا اور استاذوں کے تقرر میں میں نے اِس بات کا خیال رکھا کہ ہر استاذ قابل سے قابل ہو اور ساتھ ہی علم و تحقیق کے شائق بھی ہوں۔

میری اِن کوششوں کا اللہ کے فضل و کرم سے نتیجہ یہ ہوا کہ دینیات کی فیکلٹی یونیورسٹی کی دوسری فیکلٹیوں کی طرح باوقار اور وسیع فیکلٹی بن گئی اور طلباء اور طالبات نے بی.ٹی.ایچ. اور ایم.ٹی.ایچ. میں بھی داخلے لینا شروع کیے اور ایم.ٹی.ایچ. کرنے کے بعد پی.ایچ.ڈی. میں بھی کئی داخلے ہوئے۔ اس کے علاوہ میں نے نصاب میں عربی کی تعلیم لازمی کر دی اور مذاہب کا تقابلی مطالعے کا ایک پرچہ بھی رکھا۔ پھر فیکلٹی کی لائبریری کو اِس درجہ ترقی دی کہ آج یہ لائبریری یونیورسٹی کی لائبریریوں میں ایک خاص مقام رکھتی

Marfat.com

ہے ۔۱۹۷۲ء میں میں یہاں سے سبکدوش ہوگیا۔''[1]

۱۹۷۲ء میں ہمدرد اسلامی علوم کے ادارے سے وابستہ ہوگئے اور کئی سال تک علمی کاموں کی رہنمائی کرتے رہے۔

بعد کے دور میں مولانا اکبرآبادی ایک منفرد مقرر کی حیثیت سے ابھرے۔ ادبی چاشنی کے ساتھ علم کی گہرائی تھی۔ وسیع معلومات اور موضوع زیرِ بحث پر مکمل قبضہ ہوتا تھا۔

بہت سی انجمنوں، جلسوں، سمیناروں، کانفرنسوں، مذاکروں، مباحثوں اور انفرادی اور اجتماعی، ملی اور بین الاقوامی سمیناروں اور اجتماعوں میں تقاریر کیں۔ ہند و پاک، جنوبی افریقہ، عرب، امریکہ، یورپ کے متعدد ممالک میں اُن کی تقاریر اور خطبات ہوئے۔ طرز ادا سادہ اور پر کیفیت تھی، بہت سے رسالوں اور جریدو میں لکھا۔ جولائی ۱۹۳۸ء میں ادارہ ندوۃ المصنّفین کا قیام کیا اور اُس کا نمائندہ رسالہ 'برہان' نکلنا شروع ہوا۔ مہاجر کے مدیر رہ چکے تھے۔ اب مولانا کی علمی تحقیقی تحریروں اور عالمانہ نگارشات کا سلسلہ شروع ہوا۔

مولانا اکبرآبادی 'برہان' جون ۱۹۸۴ء کے نظرات میں لکھتے ہیں کہ: میرا اسلوب بنیادی طور پر سب سے زیادہ منّت کش احسان شبلی اور داغ کا ہے، جنہیں میں نے بڑی افراط سے پڑھا اور اُن سے سرورِ ذہنی حاصل کیا ہے۔ اسلوب کی سادگی اور سلاست و روانی اُنہیں عوامی ادب کے درجہ تک لے جاتی ہے۔ زبان و بیان کی سادگی عوام کو فیض پہنچانے میں مددگار ہوتی ہے۔ کہیں کہیں ادبی فصاحت و بلاغت بھی نظر آتی ہے۔ ۱۹۳۸ء ہی ماہنامہ 'برہان' دہلی کے مدیر ہے لیکن اپنے آپ کو مرتب لکھوایا۔ 'برہان' کو علمی، دینی اور تحقیقی مجلّہ کا عالی مقام بخش دیا۔ مالکانہ حقوق اور انتظامی اختیارات مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے پاس

---

[1] ''نظرات'' 'برہان'، دسمبر ۱۹۸۴ء، صفحہ ۵۔۴

Marfat.com

سے مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن اور مولانا قاضی زین العابدین کے علمی و تالیفی اور تصنیفی معاون و کارکن تھے۔ بعد میں رسالہ کا معیار وہ نہ رہا۔

مرتب و مدیر کی حیثیت سے مولانا نے رسالہ 'برہان' کے اداریے نظرات کے نام سے لکھے ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۳ء تک اس کے بعد ۱۹۴۶ء سے اپنی وفات تک لکھتے رہے۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں باقاعدہ ادارتی ذمہ داریوں سے الگ ہو گیے تھے۔ 'برہان' کے تقریباً ہر شمارے میں آپ کا کوئی نہ کوئی مضمون ہوتا تھا۔ مختلف کتب پر تبصرے، ترجمے، شؤن علمیہ کے عنوان سے ہر شمارے میں آپ کی تحریر زینت بنی۔

مولانا اکبرآبادی کے مضامین و مقالات ہمارے اسلامی ورثے کے وقیع نمونے ہیں اور متعدد علوم و فنون میں قابلِ قدر اضافہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور تفسیر کے فن پر اُن کے کئی مضامین ہیں۔ وحی الٰہی، فہم قرآن و الانسان فی القرآن، تدوین حدیث، فتنہ وضع حدیث اور اس کا مکمل انسداد، حضرت عبداللہ بن مبارک۔ تاریخ و سیرت میں معروف کرخی، قبۃ الصخرہ، پہلی صدی میں مسلمانوں کے رجحانات، خواتینِ اسلام، عہد نبوی کے غزوات و سرایا اور اُن کے ماخذ پر ایک نظر، مولانا عبیداللہ سندھی، مالک بن نویرہ اور خالد بن ولید، صدیق اکبر سے حضرت علی کی بیعت، ترکی خلافت، معاویہ و یزید ایک جائزہ، مولانا مودودی کے تقویٰ کا جائزہ، گائے کی قربانی اور مسلمان، مسئلہ تعداد ازدواج، علّامہ اقبال کا نظریہ اجتہاد، دورِ جدید میں اسلامی قانون جیسے روح پرور مضامین لکھے۔

ملّتِ اسلامیہ ہند و پاک کے سیاسی معاملات و امور پر بھی کئی مقالات لکھے۔ اُن میں اسباب عروج و زوال، امت کا عمومی جائزہ، دہلی کی تباہی، مسلمانوں میں ملّی شعور کا فقدان، اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، مسلمانانِ ہند پاکستان کی اسلامی ریاست اور سیکولرازم کا

Marfat.com

تصوّر۔

مولانا نے اسلامی اور جدید تعلیم کی اصلاح کے غرض سے بھی کئی مضامین لکھے اور مدارس عربیہ اور جدید مسلم اداروں دونوں کو اِمت کی ضرورت اور حالات و زمانہ کی رعایت کو مدِّنظر رکھ کر ضروری اصلاحات اپنے نصاب میں کرنے پر زور دیا۔ آپ نے اپنے کئی سفر نامے بھی لکھے، جیسے پاکستان کے سفر سے متعلق اور سوویت یونین کا سفر نامہ (ڈائری) وغیرہ۔ مولانا رسالہ معارف اعظم گڑھ سے متاثر تھے۔ اُس میں اکثر اُن کی تحریریں چھپتی تھیں۔ سید سلیمان ندوی پر ایک مضمون معارف کے لئے سلیمان نمبر کے لئے لکھا۔

۱۹۶۵ء میں دارالمصنّفین کی طلائی جشن کی روداد چھپی۔ اُس میں اُن کی تحریر شامل تھی۔ ۱۹۸۶ء میں اسلام اور مستشرقین پر جو دارالمصنّفین میں عالمی سمینار ہوا تھا اُس کے لیے ایک مقالہ لکھا جو پہلے معارف میں اس کے بعد اسلام و مستشرقین کے مجموعہ مقالات میں شائع ہوا اور بھی بہت سے مضامین لکھے اور چھپے۔ مثلاً سید سلیمان ندوی اور فن سوانح عمری لکھا (یہ غالباً اُن کی حیات کا آخری مضمون ہے)۔ نذرِ ذاکر میں اُن کا ایک اہم مضمون حروف سبعہ پر قرآنِ کریم کے نزول سے متعلق ہے۔

کتاب ''الرق فی الاسلام'' ادارہ ندوۃ المصنّفین دہلی سے ۱۹۳۹ء میں پہلی بار شائع ہوئی (یہ کتاب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے) دوسری کتاب ''موالی'' اِسی کتاب ''الرق فی الاسلام'' کی مناسبت سے ۴۵۰ صفحات کی لکھی ۱۹۴۰ء میں غلامانِ اسلام کے عنوان سے اِسی ادارہ سے شائع ہوئی ۱۹۴۰ء میں فہمِ قرآن شائع ہوئی۔ یہ کتاب پہلے 'برہان' میں سات قسطوں میں شائع ہو چکی تھی ۱۹۴۲ء میں کتاب ''مسلمانوں کا عروج و زوال'' چھپی۔ ۱۹۴۷ء میں اس کی دوسری اشاعت ہوئی۔ ۱۹۵۷ء سے مولانا اکبرآبادی کی معرکہ

آرا کتاب ''صدیق اکبر'' ندوۃ المصنّفین دہلی سے شائع ہوئی۔ آخری کتاب عثمان ذوالنورین ۱۹۸۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

اِن کے علاوہ ''کتابِ دینیات''، علی گڑھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس نے ۱۹۶۰ء میں شائع کی۔ اسلامی عبادات اور اخلاقی تعلیمات علی گڑھ سے ۱۹۶۹ء میں چھپی۔ پاکستان سے دو کتابیں شائع ہوئیں: ایک ''مولانا عبیداللہ سندھی اور اُن کے ناقد''۔ اِسے سندھ ساگر اکیڈمی لاہور نے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا۔ یہ بھی قسط وار مضمون کی شکل میں 'برہان' میں چھپ چکے تھے۔

کراچی میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی اکیڈمی قائم ہوئی۔ مولانا نے اپنے علم و دانش تحریر و تقریر اور حکمتِ عملی سے عام مسلمانوں اور ملک و ملّت کو بڑا فائدہ پہونچایا لیکن کبھی اپنی ذات یا اپنے بچوں کے لیے اپنی اُن صفات کو مجروح ہونے نہیں دیا، بے لوث خدمت کی۔ صبر و شکر اُن کی عادت تھی۔ خوش مزاجی اور خوش طبعی اُن کا جوہر تھا۔ طالبِ علموں کی بڑی ہمّت افزائی فرماتے تھے۔ فراغ دل اور وسیع النظر تھے۔

ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ یونیورسٹی کو بھی وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے فیض پہنچایا۔ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند میں ڈائریکٹر منتخب ہوئے۔ مولانا ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء سے ۲۴ر مئی ۱۹۸۵ء تک یعنی اپنی وفات تک اِس کے ڈائریکٹر رہے۔

ڈائری میں لکھتے ہیں:

''۲۶ر مارچ ۱۹۷۵ء آج دلّی ایڈمنسٹریشن نے میری غیر موجودگی میں مختلف زبانوں کے چند مصنّفین کے ساتھ مجھ کو بھی انعام دیا۔ یہ انعام سرسوتی کی مورتی، ایک کشمیری شال اور ایک گیارہ سو روپے (-/۱۱۰۰ کا چیک)

جناب مختارالدین احمد سابق پروفیسر عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بتایا کہ وہ مولانا کو دیکھنے اور ملنے کے لیے مع اپنی اہلیہ صاحبہ کے کراچی گئے تھے۔ حکیم محمد سعید سندھ کے گورنر تھے اور حاذق حکیم، آخری دور میں اُن کے زیرِ علاج تھے۔ نمازِ جنازہ مسجدِ لالہ زار، مولوی تمیزالدین روڈ میں ادا کی گئی۔ اُن کی میّت کو دارالعلوم کورنگی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اخبار ''جنگ'' میں آپ کے انتقال کی خبر کی سُرخی یہ تھی ''ممتاز مذہبی اسکالر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو سپردِ خاک کر دیا گیا''۔

آپ کے انتقال کی خبر ہندوستان کے متعدد اخبارات اور رسائل میں چھپی۔ پاکستان کے اخبارات 'جنگ ، حُرّیت ، جسارت، مشرق ، نوائے وقت، ڈان ، پاور' اور دوسرے اخبارات میں چھپی۔

........:0:........

"آدابِ گلشن"

ایسے پھولوں سے ہیں خار اچھے
جن سے مجروح ہو اعزازِ گلشن

ایسے حاکم سے محکوم اچھے
جو کہ توڑیں ہیں قانونِ گلشن

ایسے ناطق سے بے نطق اچھے
جو کہ برہم کریں امنِ گلشن

ایسے داناں سے نادان اچھے
جو نہ سمجھیں ہیں آدابِ گلشن

ایسے عاشق سے بیزار اچھے
جو نہ رکھیں ہیں ارمانِ گلشن

ایسے شہری سے دہقان اچھے
جن سے ہوتی ہے تحقیرِ گلشن

ایسے طائر سے بے پر ہی اچھے
جن کے ذہنوں میں ہے قیدِ گلشن

ایسے انسان سے حیوان اچھے
جو پئیں خونِ اخوانِ گلشن

اس محرّک سے قاعد ہی اچھے
جو کہ درپے ہیں تخریبِ گلشن۔

قیصر حبیب ہاشمی

.........:0:.........

Marfat.com

...وان جدید اور اسلام

مصنف

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی
(ریڈر، شعبہ سنّی دینیات)
ویمنس کالج
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ